سفرنامہ عرب

مفتی خالد ایوب
مصباحی شیرانی

SABIYA
VIRTUAL PUBLICATION

سفرنامہ عرب

مفتی خالد ایوب
مصباحی شیرانی

SABIYA
VIRTUAL PUBLICATION

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحمت والا ہے۔

سفرنامۂ عرب

مؤلف : مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی حفظہ اللہ تعالی
چیرمین تحریک علمائے ہند، جے پور، راجستھان
موضوع : سفرنامہ
زبان : اردو
ناشر : صابیا ورچوئل پبلی کیشن
ڈیزائننگ : پیور سنی گرافکس
سَنہ اشاعت : محرم الحرام 1444 ہجری (اگست 2022 عیسوی)
صفحات : 49
قیمت : ---

All Rights Reserved.
Sabiya Virtual Publication
Powered by Abde Mustafa Official

Contact : +919102520764 (WhatsApp)
Mail : abdemustafa78692@gmail.com

CONTENTS

قسط1: ہمارا پہیہ چلانے والے عربی شہر دمام میں 5 دن	3
قسط2: عربی تقدسات کے حقائق و مشاہدات	5
قسط3: دمام کا برڈ آئی ویو	8
قسط4: عرب کی لیبر لائف	11
قسط5: عرب کی شاہی شاہ راہیں	14
قسط6: جدت پسند مملکت کی پرانی راجدھانی	17
قسط7: مون کیلینڈر کا پہلا عربی روزہ	20
قسط8: مدینے کی پہلی مسافرت	23
قسط9: دنیا کی سب سے بڑی افطار پارٹی نبی کی مسجد میں	27
قسط10: نازش جنت شہر مدینہ	30
قسط11: مکہ یعنی امن و احترام اور نیکیوں کا شہر	33
قسط12: کاش! ہمارے پاس کئی بشارت صدیقی ہوتے	36
قسط13: جانا تھا قطر، دوبئی پہنچ گئے	41
قسط14: طیبہ سے لوٹنا کسی عاشق سے پوچھیے	45
ہماری اردو کتابیں:	50

قسط 1: ہمارا پہیہ چلانے والے عربی شہر دمام میں 5 دن

ہنگامہ خیز دنیا کے بیچ پر سکون فضا، دیدہ زیب لیکن معتدل تعمیرات اور شفاف ہوا کے شہر دمام کے مطار الملک فھد الدولی یعنی کنگ فہد انٹرنیشنل ایرپورٹ پر 23/مارچ 2022 کو ہمارا دو نفری قافلہ اس وقت اترا، جب ہماری پرواز گاہ دہلی میں رات کے سوا ایک اور جائے ورود دمام میں سوا گیارہ بج رہے تھے۔ 2800 کلو میٹر کا یہ ہوائی سفر بخیل انڈگو نے چار گھنٹے میں طے کیا۔ بخیل اس لیے کہ چار گھنٹے کی درمیانی سے زیادہ مسافت کے باوجود یہاں 20 ایم ایل لیٹر پانی کی بوتل کے علاوہ مفت میں کچھ بھی دستیاب نہیں تھا۔

رفیق سفر حضرت حافظ اشرف صاحب کچھ حد تک آرام دہ تنگ کرسی پر سستاتے ہوئے نیم خوابی میں چلے گئے اور میں بھی دائیں بائیں آگے پیچھے لیبر کلاس طبقے کی اکثریت کو الگ الگ زاویوں سے دیکھتے سمجھتے کسی وقت خواب خرام میں مست ہو چکا تھا، اس طرح کچھ حد تک دونوں اپنی کچھ نیند اور کچھ تکان دور کر چکے تھے اور ایرپورٹ پر اترتے ہوئے قدرے تازہ دم تھے۔

دمام ایرپورٹ پر ماربل کے کام یاب تاجر حافظ صاحب نے سب سے پہلے یہ مشاہداتی تاثر دیا کہ یہاں فرش پر ہمارے راجستھان کے جالور کا ماربل لگا ہوا ہے۔ لیکن کچھ دنوں بعد یہ راز کھلا کہ جالوری ماربل سے ٹھیک ملتا جلتا یہ پتھر عرب ہی کی پیداوار ہے۔

یہاں ایرپورٹ پر نہ وہ ہنگامہ تھا، جو ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے اور نہ ہی وہ بے ہنگم بھیڑ۔ اس سکون پر ان سفید پوشوں کی امیگریشن کو مستزاد مانا جائے جو ہماری پہلی انڈین نظر میں عالمانہ شکلوں کے حامل نظر آتے ہیں۔

ایرپورٹ پر حضرت مولانا دولت صاحب، مولانا صدام حسین صاحب اور یونس خان شیرانی ہمارے منتظر کھڑے تھے۔ مولانا دولت صاحب کی فراٹے بھرتی کار نے ایرپورٹ سے یونس بھائی کی قیام گاہ تک کا چمکتا، جھلملاتا اور نورانی قمقموں سے منور کوئی 31 کلو میٹر کا سفر ناقابل محسوس دورانیے میں طے کر لیا۔ دمام کا یہ دوسرا اور نیا ایرپورٹ ہے، جو 28 نومبر 1999 کو تجارتی ٹریفک کے لیے شروع کیا گیا۔

اس ایرپورٹ کی خوب صورتی اپنی جگہ، نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ رقبے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ ہے، اتنا بڑا کہ دمام کے ٹھیک بغل میں واقع پوری مملکت بحرین کے پورے رقبے سے بھی بڑا ہے، جس کا ٹوٹل رقبہ 776 اسکوائر کلو میٹر ہوتا ہے، جس میں سے تعمیراتی حصہ 3 لاکھ اور 52 ہزار اسکوائر فٹ ہے۔

ہم مسافروں کا پہلا عربی کھانا یونس خان کے فلیٹ میں اور تا مدت قیام، قیام دمام سے متّصل شہر الخبر میں واقع مسجد عبداللہ بن عباس میں ہوا، جہاں ہمارے میزبان حضرت مولانا صدام حسین شیرانی نائب امام اور معلم ہوا کرتے ہیں۔ در

اصل ہمارے حافظ صاحب کا فکری نظریہ یہ ہوتا ہے کہ سب سے بہترین قیام گاہ مسجدوں کے حجرے ہوا کرتے ہیں، جہاں جہاں سکون ہوا کرتا ہے، وہیں مولویانہ مزاج سے انتہائی قربت بھی۔

حضرت مولانا صدام حسین رضوی شیرانی دار العلوم فیضان اشفاق، ناگور سے فاضل اور سن 2015 سے یہاں بر سر روزگار ہیں۔ ابتداء آزادانہ کام کرتے تھے لیکن بعدہ بطور معلم یہاں قیام پذیر خارجیوں یعنی پردیسیوں کے بچوں کو ابتدائی تعلیم دینے لگے اور پچھلے کچھ وقت سے مسجد عبداللہ بن عباس میں نائب امام اور مؤذن کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عربی نظام کے مطابق اصل مؤذن اور امام عربی ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں! مسجد کی لوکل انتظامیہ اپنی طرف سے نائب امام کا تقرر کر سکتی ہے اور وہی انھیں وظیفہ بھی دیتی ہے۔ چوں کہ عام طور پر ہر کسی مسجد کے نمازیوں کی بڑی تعداد اردو دانوں اور خارجیوں کی ہوا کرتی ہے، اس لیے ہندو پاک نژاد یا اردو دانوں کے لیے یہاں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح کا شغل حضرت مولانا دولت صاحب کا عزیزیہ کی جامع راشد البلوی مسجد میں ہے۔ البتہ یہ مسجد عبداللہ بن عباس کے مقابل بہت کشادہ اور نہایت خوب صورت ہے کیوں کہ یہ مسجد ایک پرائیویٹ کمپنی کی مسجد ہے اور اس کا پورا نظم ونسق بھی وہی کمپنی دیکھا کرتی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بے جا نہیں ہوگی کہ ہمارے ہاں مسجدوں کے تزئین کاری میں جس قدر پیسہ صرف ہوتا ہے، یہاں کی مسجدوں کے طرز تعمیر سے لگتا ہے کہ تقریبا اتنے ہی یا اس سے ملتے جلتے بجٹ میں یہاں کی مسجدوں میں کچھ الگ ہی دیدہ وری اور کشش پیدا ہوتی ہے۔ بہت ممکن ہے اس کی بنیادی وجہ اسلامی مملکت کی وجہ سے عام عمارتوں کے مقابل اسلامی تعمیرات کو خاص رنگ دینے کا فن، فن کارانہ مزاج اور کثرت تعمیرات کی وجہ سے نئے خیالات کا ورود ہو جبکہ عام نگاہ میں اس کی وجہ ان کے بیرونی نقش ونگار سے زیادہ انفراسٹرکچر اور اندرونی رنگ وروغن، سہولیات اور مناسب ہائٹ وغیرہ ہیں۔

مولانا صدام صاحب از روئے منصب بھلے نائب ہوں لیکن دراصل امام اور مسجد کے سب سے بڑے ذمہ دار وہی ہیں کیوں کہ اصل امام صاحب صرف جمعہ اور رمضان المبارک کی نماز عشا کے علاوہ بقیہ دنوں میں گاہے گاہے مغرب میں آجاتے ہیں۔ اس لیے وہ نہ صرف شکل وشباہت، انداز قراءت بلکہ لال رومال اور عربی عبا سے بھی تقریبًا اتنے ہی عربی بن چکے ہیں، جتنے اپنی بے تکان مہمان نوازی اور ملنسار اخلاق سے اچھے انسان ہیں۔ ہم مہمانوں سے ہی نہیں اپنے ہر آشنا ناآشنا مقتدی سے بھی خنداں پیشانی سے ملنا۔ معاصرت کے باوجود ہمارے ساتھ بزرگانہ سا سلوک کرنا۔ آداب ضیافت کا بے پناہ خیال رکھنا اور سب سے نباہ کرتے ہوئے چلنا مولانا کی وہ خوبیاں ہیں، جو ان کو بہتوں سے ممتاز کرتی ہیں اور ان کے روشن نصیبے کی غماز ہیں۔

قسط2:عربی تقدسات کے حقائق و مشاہدات

سعودی عرب میں ہماری دوسری دعوت یہاں کے دوسرے دن دوپہر میں حضرت مولانا دولت صاحب کے حجرے میں ہوئی۔ مولانا کے ہم دم مسجد کے بنگالی خادم ہوا کرتے ہیں اور بنگالی دنیا بھر میں اس بات کے لیے بدنام ہیں کہ وہ جتنی محنت کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں، اتنی ہی محنت اور دل چسپی کے ساتھ لذیذ کھانا بناتے بھی ہیں۔ بھائی کی بنائی ہوئی مچھلی اور بکرے کے قورمے نے ان کی بدنامی کی دل پر مہر لگادی۔ ہم انگلیاں چاٹتے ہوئے اس وقت تو ان کی اردو فہمی کے مطابق انھیں اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھا سکے کہ آپ نے کھانا بہت لذیذ بنایا ہے لیکن اس کا چسکا اتنا زبردست تھا کہ کھانے کا اچھا ذوق رکھنے والے ہمارے حافظ صاحب پورے سفر میں بار بار اس کھانے کو یاد کرتے رہے۔

کھانے کے بعد-اللہ نیکی دے-مولانا صاحب کی مسجد کا دل سے جائزہ لیا۔ یہ عام سی عربی مسجد اتنی خاص ہے کہ اگر یہ ہماری زمینوں پر اتار دی جائے تو لوگ چل کر دیکھنے آیا کریں۔ یہاں مسجدوں کے باہر ایک خاص چیز یہ نوٹ کی کہ مسجد کے نام کے ساتھ کیو آر کوڈ کی تختی لگی ہوتی ہے، جسے اسکین کرنے سے موبائل میں مسجد کی مکمل تفصیل کھل جاتی ہے۔

کل سے اب تک مسجدوں کی باتیں چل رہی ہیں اور آگے بھی چلتی رہیں گی اس لیے قبل از وقت مناسب ہوگا کہ عربی مسجدوں اور ان کے مذہبی تقدسات پر مثبت/منفی تبصرے کا بڑا قرض ایک ساتھ ادا کر دیا جائے تاکہ نظریے کی طرح بہت حد تک امیج بھی کلیر ہو جائے۔

شاید دبئی کے سفرنامے میں یہ بات ذکر کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کے یہاں نمازوں میں بلا کا تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ ایک خدا کے لیے پڑھی جانے والی نمازوں میں اتنے رنگ نظر آتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عرب دنیا میں یہ تو خوب ذوق پایا جاتا ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اس لیے بارہا اکیلا انسان بھی امام بنا نظر آتا ہے بلکہ مدینہ شریف سے واپسی کے وقت ایئرپورٹ کے پریئر روم میں مجھے بچشم خود یہ نازک مرحلہ بھی دیکھنے کو ملا کہ ایک شخص اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، دوسری رکعت میں تھا کہ کوئی آیا اور اشارہ کر کے اس کی اقتدا کرنے لگا، یہ امام صاحب اپنی نماز مکمل کر کے گئے اور مسبوق ابھی اپنی نماز پوری کر رہا تھا کہ کوئی تیسرا شخص آیا اور اسے اشارہ کر کے اس کی اقتدا کرنے لگا۔ لیکن ہمارے لیے خشک پہلو یہ ہو جاتے ہیں کہ ان نمازوں میں کبھی آگے پیچھے چلنا بھی ہوتا ہے، ضرورت پڑنے پر باتیں بھی ہو جاتی ہیں بلکہ موبائل کے چھوٹے موٹے کام نکالنے میں بھی دقت نہیں محسوس کی جاتی۔ نماز تراویح میں بالعموم دیکھ کر قراءت کی جاتی ہے۔ کسی بھی مسجد کے نمازیوں پر تجزیاتی نظر ڈالیے تو کوئی رفع یدین کر رہا ہوتا ہے، کوئی نہیں۔ دعائے قنوت کے علاوہ نمازوں کے بعد دعاؤں کو انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، ویسے ہی جیسے نوافل کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی اور ویسے ہی جیسے قرآن پاک کافی حد تک پڑھا جاتا ہے لیکن کافی حد تک اس کا ادب نہیں کیا جاتا۔ یہاں امامت کے لیے با

ریش ہونے کی شرعی ضرورت کہیں نہیں محسوس کی جاتی اور نہ ہی عام امامتوں کے لیے قراءت کی درستگی پر بہت زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ہم نے دوران سفر کچھ ایسے لوگوں کو بھی نمازیں پڑھاتے ہوئے دیکھا، جن کی قراءت تقریبًا جاہلان ہند کی عجمیت سے ملتی جلتی ہوا کرتی تھی۔ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، بالکل عیب نہیں سمجھا جاتا۔ جماعت ثانی کا اتنا زیادہ کلچر ہے کہ ابھی ایک جماعت نے سلام پھیرا ہوتا ہے کہ دوسری جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی ہے۔ مسجدوں میں عام طور پر نمازیوں کی راحت کے لیے بڑے خوب صورت کھڑے تکیے لگے ہوتے ہیں۔ یہ انتظام بڑا بھایا کیوں کہ یہ تکیے جہاں "بے سہاروں کا سہارا" بنتے ہیں، وہیں پیچھے والی صف کے لیے سترے کی حیثیت بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ اگرچہ احادیث کریمہ میں صراحت کے باوجود نمازی کے آگے سے گزرنا یہاں کچھ برا نہیں سمجھا جاتا اور سترے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ ہاں! ان دل بھاتے تکیوں کے اس پہلو پر غور کیا جانا چاہیے کہ کیا سچ مچ مسجدوں میں اتنے زیادہ پر تکلف اور آرام دہ انتظام کی ضرورت ہے؟

یہ کوئی بہت زیادہ قابل ذکر پہلو تو نہیں لیکن پھر بھی چوں کہ ہمارے یہاں اس سلسلے میں نہایت بے اعتنائی برتی جاتی ہے، اس لیے یہ بات کہنا فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ عربی مسجدوں کے مائک سیٹ کی تعریف کی جانی چاہیے۔ نہایت متناسب آواز، جس میں نہ کوئی گونج ہوتی ہے اور نہ سماعتوں پر بوجھ۔ مسجد کی ہر جائے نماز تک آواز کی یکساں رسائی اور بنا کسی ملاوٹ کے اصل آواز کی جوں کی توں ترسیل کرنے والا اپڈیٹ سیٹ اپ۔ ہمارے ہاں اس سلسلے میں میں جانے کیوں غفلت برتی جاتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بہت قیمتی اور دیدہ زیب مسجدوں میں بھی مائک سیٹ اپ کا تقریبًا وہی حال ہوتا ہے جو گھروں میں ٹوتھ برش کا ہوتا ہے۔

ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا اور جن میں ہوتا ہے، ان میں خاص خطبہ جمعہ کے علاوہ انڈیا کی طرح وعظ کا اہتمام نہیں ہوتا۔ البتہ اگر حکومت کو کوئی خاص پیغام دینا مقصود ہوتا ہے تو تحریری خطبات میں دے دیا جاتا ہے اور اس کو تقریبًا اتنی ہی حیثیت دی جاتی ہے، جتنی نص قطعی کی پیروی کی جانی چاہیے۔

مجھے عربی ممبر و محراب کی بناوٹ ہمیشہ سے بہت پسند آتی ہے۔ لکڑیوں کی ساخت، ان کی اٹھان، صف میں جگہ نہ گھیرنے کا طریقہ اور ان کی دیدہ زیبی ہر چیز بلا کی جاذب نظر اور مناسب ہوتی ہے۔ اس خوب صورت طرز تعمیر کو ہر مسجد میں فالو کیا جانا چاہیے۔

کچھ عرصہ قبل یہاں تبلیغی جماعت کا دور دورہ ہوا کرتا تھا لیکن آج کل ان پر مجرمانہ حد تک پابندی ہے۔ ہاں! ابھی بھی تبلیغی جماعت کے لوگ یہاں اپنا کام کرتے ہیں لیکن نظریں بچا کر اور چھپ چھپا کر۔ تبلیغی جماعت کا جتنا بھی کام تھا، پرائیویٹ سطح پر تھا، حکومتی سطح پر وعظ و نصیحت کے لیے جمعرات کے دن دعوتی ٹولیاں بکھر جاتی تھیں لیکن لیکن پچھلے کچھ وقت سے وہ ٹولے بھی تقریبًا لبرل ازم کے حوالے ہو چکے ہیں اور اب ان کا بھی اثر برائے رسم رہ گیا ہے بلکہ موجودہ بادشاہ سلامت کی جدت طرازی تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ اذان کی آواز کے علاوہ جماعت کی آواز پر بھی روک لگا دی گئی ہے،

یہ آوازیں مسجد سے باہر نہیں جانی چاہیے، جس کا بھرپور اہتمام ہو رہا ہے جبکہ اس کے بالکل برخلاف گئے دنوں کی طرح اب یہاں نہ تو نمازوں کے وقت بازار سونے رہتے ہیں اور نہ نماز نہ پڑھنے والوں کو کسی مطوعے کی کوئی دہشت۔

بشمول مسجد نبوی شریف کے الگ الگ مسجدوں اور ان کے نمازیوں کے بیچ یہاں ایک تعجب خیز بات یہ بھی نوٹ کی گئی کہ مکبر جب سلام پھیرتا ہے، امام کے ساتھ سلام پھیرنے والے، اٹھ کر کوئی بیس قدم چل چکے ہوتے ہیں۔ نہیں معلوم کہ حضرت مکبر کی یہ سستی مسلکی نوعیت کی ہوتی ہے یا ذاتی قسم کی یا پھر یہ کوئی نمازی فیشن ہے۔

حنفی المسلک کے لیے یہاں باجماعت نماز میں جو چیزیں سب سے زیادہ باعث تشویش ہوا کرتی ہیں، وہ رفع یدین اور آمین بالجہر جیسے مسائل سے کہیں آگے کی یہ فقہی نزاکتیں ہیں:

(الف) ائمہ حضرات سورہ فاتحہ اور سورت کے بیچ تین تسبیح سے زیادہ کا محسوس گیپ کرتے ہیں۔ کیوں کہ مقتدی کو بھی تو سورہ فاتحہ پڑھنا ہوتی ہے۔

(ب) عربیت کی شناخت کے طور پر متعارف کروائے گئے لال رومال کو ویسے ہی امامت کی شان سمجھا جاتا ہے، جیسے ہمارے ہاں حالت نماز میں عمامے کا اہتمام ہوتا ہے۔ پریشانی یہ ہے کہ حالت نماز میں اس کے دونوں کنارے لٹکے رہتے ہیں، جسے اصطلاح شریعت میں سدل کہا جاتا ہے اور جس کی شرعی حیثیت کراہت کی ہے۔

(ج) امام کے لیے حالت سجدہ اور قعدہ کے لیے چھوٹے اور قیام و رکوع کے لیے بڑے مائک نصب ہوتے ہیں۔ ائمہ ان مائک کا اس قدر خیال کرتے ہیں کہ تلاوت کے وقت ان سے قریب ہو جاتے ہیں اور قراءت کے اختتام پر تھوڑا پیچھے ہٹ کر بائیں جانب ہو جاتے ہیں اور یہ کام ایک آدھ قدم آگے پیچھے ہٹا بڑھا کر انجام پاتا ہے۔

ہمیں بتایا گیا کہ امامت کے سلسلے میں سعودی اس قدر غیرت مند واقع ہوئے ہیں کہ اپنے ذوق جماعت کے باوجود کئی بار جماعت سے بالکل الگ تھلگ ہو جاتے ہیں، جب انھیں نظر آتا ہے کہ کوئی عجمی امامت کر رہا ہے۔ دراصل اس بابت ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہم کسی عجمی کے پیچھے نماز کیسے پڑھ لیں۔ ہاں! یہ غیرت مندانہ خوسب میں نہیں پائی جاتی، سو کل تک کے لیے الا ماشاء اللہ کا عالمانہ استثنا کر لیجیے۔

قسط 3: دمام کا برڈ آئی ویو

دمام سعودی عرب کے مشرقی صوبے میں واقع ہے، جس کی سرحدیں کویت، قطر، متحدہ عرب امارات، اومان اور یمن سے ملتی ہیں۔ اندرونی طرف صوبہ ریاض اور صوبہ نجران واقع ہیں۔ علاقہ کا رقبہ 800 مربع کلومیٹر اور اس کی شہری آبادی 2009 میں 842,000 تھی۔ یہ مشرقی صوبے کا صوبائی صدر مقام ہے اور دمام سے کچھ کلومیٹر کے فاصلے پر دوسرا بڑا شہر الخبر واقع ہے، جو کاروباری مرکز اور بندر گاہ ہے۔ بین الاقوامی آمد و رفت کے لیے شاہ فہد پل (**The King Fahd Causeway**) کے ذریعے صوبہ کو بحرین سے ملایا گیا ہے۔ (وکی پیڈیا)

وکی پیڈیا کے مطابق یہ ہے مختصر خاکہ ساحل پر واقع اس خوب صورت شہر کا جس کی زمین نے معیشت میں نہایت کمزور اور خستہ حالی کے شکار سعودی عرب کی 1935 میں اس وقت تقدیر بدل دی، جب یہاں پہلے پہل کافی تمناؤں اور کوششوں کے بعد کالے سونے یعنی خام تیل کا کنواں دریافت کیا گیا۔ اس سے قبل اس مملکت کی معیشت کا بڑا حصہ حجاج کرام کے ساتھ منسلک تھا اور کہیں کہیں زراعت و تجارت کا بھی وجود تھا جبکہ اس خداداد نعمت کے بعد آج سعودی عرب دنیا میں تیل پیدا کرنے والے تین بڑے ممالک میں سے ایک ہے اور مالی، معاشی اور سیاسی طور پر نہایت مضبوط ملک ہے۔

ہمیں اپنے اسی سفر دمام میں سعودی تیل کی کمپنی آرامکو سعودیہ کا ایریا دیکھنے کا موقع ملا، جس کے سر تیل ہی نہیں بلکہ عام طور پر بھی دنیا کی سب سے بڑی کمپنی ہونے کا تاج رہا ہے۔

دمام کوئی بہت پرانا شہر نہیں۔ 1923 میں اس وقت کے موجودہ بادشاہ عبدالعزیز کی اجازت سے بحرین سے ہجرت کر کے آئے قبیلے الدواسیر نے اس کی بنیاد رکھی، جو ابتداء الخبر میں آباد ہوا۔

وجہ تسمیہ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ ماہی گیروں کے بحری جہازوں کو خبر دار کرنے کے لیے یہاں ڈرم بجائے جاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نام دوواما (بھنور) لفظ سے بنا ہے، جو ایک قریبی جگہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس سے عام طور پر مچھلی پکڑنے والوں کو گریز کرنا ہوتا تھا۔

99 سال بوڑھے اس شہر کی تاریخ اور ترتیب چاہے جیسی رہی ہو، بود و باش اختیار کرنے کے لیے یہ نہایت موزوں، سیاحوں کے لیے خوب صورت اور دل جلوں کے لیے دل بھاتا معتدل شہر ہے۔ نہ پولیوشن، نہ لبالب راہیں، نہ گندگی اور نہ ضروریات کی فراہمی میں کسی کمی کا احساس۔ کشادہ سڑکوں پر اپنی پوری رفتار کے ساتھ دوڑتی گاڑیاں شاید یہ بتانے کے لیے کافی ہوں گی کہ پر سکون شہری زندگی کے لیے اور کیا چاہیے۔

عرب ممالک کی روڈوں پر اس تبصرے کی ضرورت نہیں کہ روڈ کیسے ہونے چاہیے۔ نہ کشادگی اور روانی کے نقطہ نظر سے، نہ صفائی اور مسافرانہ سہولیات کی فراہمی کے لحاظ سے اور نہ ہی بناوٹ کی عمدگی کے ناتے سے۔ یہ سب ہم جیسے

غریب ملکوں کے لیے آزاد چھوڑے ہوئے ایشوز ہیں۔ دمام ہی کا واقعہ ہے کہ وہاں کے دوسرے دورے پر وہاں سے دوبئی جانے کے لیے جب ہم ایرپورٹ پہنچ رہے تھے تو دیکھا کہ ہماری روڈ کے ساتھ ساتھ ایک متبادل روڈ بھی ہے، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ روڈ خالی رہتا ہے، اگر کبھی اس رواں روڈ کی مرمت مقصود ہو تو ہمارے یہاں کی طرح یہ راستے کو تنگ کر کے کام نہیں کرتے، وہ متوازی روڈ کھول دیتے ہیں۔ ایسے ہر ترقی کے موڑ پر ہمیں اتر پردیش کے وزیر اعلی جناب یوگی آدتیہ ناتھ جی کی یاد آتی ہے۔ گزشتہ دنوں انھوں نے دہلی سے مراداباد جانے والے راستے پر بننے والے ایک پل کے لیے اس شاہ راہ کو کھود کر رکھ دیا اور کمال ذہانت یہ کہ اس بات کی قطعی فکر نہیں کی گئی کہ اس راستے پر سے گزرنے والی گاڑیوں کا کیا ہوگا!

عرب جس طرح سہولیات فراہم کرتے ہیں، اسی طرح اصولوں کی پاسداری اور بدعنوانی کے خاتمے کے لیے بھی ہر ممکن جتن کرتے ہیں۔ چناں چہ عرب ممالک کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ مخالفہ یعنی اصول راہ کی مخالفت کرنے والوں پر عائد جرمانے ہوا کرتے ہیں۔ یہ جرمانے اتنے سخت ہوتے ہیں کہ کوئی بھی مجرم جرم دوہرانے سے پہلے سو سو بار سوچنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگر کسی گاڑی کی رفتار 140 فی گھنٹہ مقرر ہے تو اس حد کو کراس کرنے والے پر تین ہزار ریال کا جرمانہ ہے، کس بہادر کی ہمت ہوگی کہ 60 ہزار جیسی موٹی رقم بطور جرمانہ ادا کرے۔

اصولوں کی پامالی پر گہری نظر رکھنے کے لیے ہر شاہ راہ کے کنارے کنارے اور شہروں کے اندرونی حصوں میں جگہ جگہ نہایت قیمتی کیمرے نصب کیے گئے ہیں، جو کئی بار نظر بھی نہیں آتے لیکن جیسے ہی کسی خانہ خراب پر ان کی نظر ٹیڑھی ہوتی ہے، فوکس کے طور پر گاڑی پر ایک بجلی سی کوندتی ہے اور اسی کے ساتھ ڈرائیور کا دل، دل بسمل بن جاتا ہے۔

انہی اصولوں کا نتیجہ ہے کہ یہاں ہر کوئی ڈرائیورنگ کی ہمت نہیں جٹا پاتا اور بہتیرے جذباتی قسم کے ڈرائیور بہت جلد راہ راست پر آکر خواہی نخواہی سنجیدہ بن ہی جاتے ہیں۔ البتہ ہمیں کچھ ایسے بے نیاز بھی ملے جو اپنی گاڑیوں کی قیمت سے زیادہ جرمانے بھر چکے تھے اور اب انھیں ڈرائیورنگ اچھی نہیں لگتی۔

دمام کی خوب صورتی کی دو وجہیں ہیں:

شہر بھر کے مکانوں کی بناوٹ کشادگی، ہمواداری، تہذیب، صفائی، یکسانیت اور سسٹم کے ساتھ کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تقریباً تمام عمارتوں کی ہائٹ تین سے چار منزلہ تک ہے اور ایسا صرف دمام میں نہیں بلکہ عرب کے بیشتر شہروں میں اس بات کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے کہ کہاں کتنے منزلہ مکانات بنائے جا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ یکسانیت نگاہوں میں خوب جچتی ہے۔

مملکت بحرین کے چھوٹے سے جزیرے کو عرب سے جوڑنے والا شاہ فہد پل دمام کو عرب ہی نہیں، بحرین کے لیے بھی بہت خاص بنا دیتا ہے۔ ہم نے 28 اپریل کو خوب سلیقے سے اس بوڑھے برج کی 25 کلومیٹر کی سیر کی۔ ایک سیدھی لائن کی طرح بنا یہ ہائی وے بحری برج اس کونے سے اس کونے تک دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ برج کے درمیانی حصے کو اتنا بلند

بنایا گیا ہے کہ اس کے نیچے سے بڑے بحری بیڑے بھی آسانی سے گزر سکتے ہیں اور اس کے لیے ٹھیک درمیانی حصے کو اس طرح اٹھایا گیا ہے جیسے کسی پہاڑی پر چڑھائی ہو رہی ہو لیکن یہ چڑھائی اتنی سیدھی اور خوب صورت ہوتی ہے کہ نشیب اور فراز کسی کا ذرا احساس نہیں ہوتا۔

دمام سے سے برج کی شروعات کے ساتھ ہی دائیں بائیں سمندر کے اندر کا خاصا حصہ جو کوئی ایک کلومیٹر کے رقبے کو محیط ہے، مٹی ڈال کر خشک کیا گیا ہے۔ بتا رہے ہیں کہ اس مصنوعی جزیرے میں گورنمنٹ سیاحوں کے لیے کچھ خاص کرنا چاہتی ہے۔ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ اتنے خاصے حصے کو جزیرہ بنانے اور پھر موٹے پتھروں سے اس کی حصار بندی کرنے میں کتنا صرفہ ہوا ہو گا۔

برج کا اختتام ہی بحرین کی شروعات ہے۔ کئی قطاروں میں ٹرکیں اور چھوٹی بڑی گاڑیاں چیک پوسٹ پر چیک ہو رہی ہوتی ہیں اور دوسری طرف ساحل کا لطف اٹھانے والے الگ جماوڑا لگائے رہتے ہیں۔ کنارے پر نہایت ٹھنڈی اور بہت تیز ہواؤں کے تھپیڑوں کے بیچ کافی پینے اور یہاں بنے ہوئے خوب صورت پارکوں، مسجد، ہوٹلوں اور سیاحتی دل کشیوں میں گھومنے کا اپنا الگ ہی لطف ہے۔ آپ بھی کل تک لطف اندوزی کیجیے۔

قسط4:عرب کی لیبر لائف

ترقیاتی منصوبے اور ہمہ جہت ترقی پذیر مملکت اگر عرب کا ایک پہلو ہے تو وہیں اس کا دوسرا اہم ترین پہلو جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وہاں عارضی طور پر سکونت پذیر پردیسیوں کی غریب الوطن زندگی ہے، جسے ہم لیبر لائف کہہ سکتے ہیں۔

عرب میں گھومتے ہوئے ہر حساس نگاہ کو ایسا لگے گا جیسے کوئی سیل رواں ہے جو آہستہ آہستہ مسلسل اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جدھر دیکھیے عمارتیں زیر تعمیر ہیں، پل بنائے جارہے ہیں اور روڈوں کا کام جاری ہے۔ ایک بھیڑ ہوتی ہے جو مزدورانہ لباس پہنے کہیں پاپیادہ تو کہیں گاڑیوں پر سوار مسلسل جدو جہد میں لگی ہوئی ہے۔ دراصل عرب دنیا کے ترقیاتی منصوبوں کو زمین پر اتارنے کے لیے ایک لمبی مدت سے یہ عمل جاری ہے۔ کہیں نئے شہر بسائے جارہے ہیں، کہیں بسے بسائے شہروں کو بڑھایا جارہا ہے اور کہیں پرانے پن کو نیا لک دیا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر میدان کے لاکھوں لاکھ مزدور وہاں برسر روزگار ہیں جو دن رات ایک کر کے اپنی زندگیوں کا غیر معمولی ایثار پیش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کورونا وائرس کے بعد ان ملازمین کے اعداد و شمار متاثر ہوئے ہوں لیکن سعودی عرب کے محکمہ شماریات کے مطابق 2019 میں ان غیر ملکی کارکنان کی مجموعی تعداد 9.83 ملین تھی جبکہ سعودی کارکنان کی تعداد 3.1 ملین تھی۔

مجھے تازہ دورے میں یہ بھی پتہ چلا کہ یہاں خدامہ اور شغالہ کے طور پر خاصی تعداد میں انڈین، بنگالی اور دوسرے کئی ملکوں کی عورتیں بھی اپنے گھربار اور شوہر بچوں سے دور 2-2 سال تک بالکل مردوں کی طرح گھریلو ملازمتوں پر مامور اور مجبور ہیں۔ اس بابت غیرت انسانیت کا سر جھکانے والا یہ انکشاف بھی ہوا کہ ایک عورت ذات کی اس ترس کھانے لائق غربت اور غریب الوطنی کا ہر وہ استحصال ہوتا ہے، جس کا اندیشہ ممکن ہے اور جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

ان تقریباً ایک کروڑ پردیسیوں کی کچھ مشترکہ کہانیاں ہیں اور کچھ انفرادی۔ مشترکہ کہانیاں یہ ہیں کہ یہ سب کسی نہ کسی زاویے سے غریب الوطنی اور ثانویت کے محسوس پیکر ہیں اور کیا ملکی قانون، کیا کمپنیاں اور کیا کفیل، کوئی بھی احساس غربت کو مرنے نہیں دیتا بلکہ اس کو ہر موڑ پر زندہ رکھا جاتا ہے اور کسی نہ کسی زاویے سے بار بار یاد دلایا جاتا رہتا ہے۔

لیبر لائف میں ایک بڑی تعداد ان قسمت کے مارے مزدوروں کی بھی ہوتی ہے، جن کی زندگیاں مظلومیت کی بہترین مثال کہی جاسکتی ہیں۔ کسی کے ساتھ پردیس بھیجنے والے ایجنٹ نے دھوکہ کیا، کسی کے ساتھ یہاں آنے کے بعد کمپنی نے اور کسی کو اس کا کفیل نچوڑ تا رہتا ہے اور مملکت کے آئین کے آگے مرنا یہ ہے کہ یہاں بنا کفالت کے کوئی پردیسی رہ نہیں سکتا۔

انڈیا میں ایجنٹ لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ ہے جو یوپی بہار اور بنگال وغیرہ کے پسماندہ علاقوں سے مجبور، غریب اور

ناخواندہ مزدوروں کو پردیسی ملازمت کے سہانے خواب دکھا کر خوب پیسے اینٹھتا ہے اور یہاں ان کا کوئی نمائندہ موجود ہوتا ہے جو کسی فرضی کمپنی کا ضامن بن کر انھیں رسیو کرتا ہے لیکن ایئرپورٹ سے باہر نکال کر انسانی جنگل میں بے بس چھوڑ دیتا ہے۔ ماضی قریب میں ان آدم خوروں نے ایک حربہ یہ بھی اپنایا کہ خود کی فرضی کمپنیاں بنائیں، نئے مزدوروں کو اپنی کمپنیوں میں فرضی ملازمتیں بھی دیں اور دس پندرہ دن کے بعد یہ کہہ کر نکال دیا کہ تم اپنے کام میں پاس نہیں ہوئے۔ ایسے بے بسوں کے لیے حالات کے رحم وکرم پر جینے کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہوتا۔

کورونا سے پہلے بھی اور کرونا کے بعد بطور خاص عرب میں کام کرنے والی کمپنیوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے، جنھوں نے اپنے ملازمین کی تعداد گھٹا دی یا ان کی تنخواہیں کم کر دیں اور بہتری کمپنیاں وہ بھی ہیں جو حکومت کی ٹیکس پالیسیوں کی وجہ سے دیوالیہ ڈکلیئر کر دی گئیں۔ ایسی کمپنیوں میں کام کرنے والے ملازمین کی تنخواہوں اور مظلومیت کا بشمول حکومت کے کوئی ضامن نہیں۔

اللہ کرے اگر کوئی حالات کی ان ستم ظریفیوں کا تختۂ مشق نہ بنا ہو تو بھی عام طور پر اس کے لیے رہائش اور کھان پان کا جو انتظام ہوتا ہے، اگر کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کریں تو اسے کسی ہلکے کالج کے ہوسٹل جیسا کہا جا سکتا ہے اور بس۔

یہاں مدت سے رہنے والے بتاتے ہیں کہ پچھلے کچھ عرصے میں عربوں کے مزاج اور ان کی خوبو میں جو غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، وہ جتنی حیران کن ہیں، اتنی ہی پریشان کن بھی ہیں۔ پیسے کے لیے بے مروتی کی کسی بھی حد تک چلے جانا، عربوں کے لیے معمول کی بات بن گئی ہے۔ جس کفیل کی کفالت میں رہتے ہوئے وفادار زندگی کا خاصہ حصہ گزارا جا چکا ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ معمولی سے پیسے دیکھنے کے بعد اس کا ایمان نہیں ڈگمگائے گا۔ یہ محض بدظنی نہیں، یہاں بہتیرے زخم خوردہ لوگوں کی آپ بیتی ہے۔ ہمیں اپنے کچھ ایسے ستم رسیدہ بھی ملے، جن کے لاکھوں ریال ان کے سرپرست کفیلوں نے ڈکار لیے، کسی کی گاڑیاں تو کسی کے بقالے یعنی کرانہ اسٹور بنا کسی مزاحمت کے محض اس لیے کفیل کے ہو چکے تھے کہ کوئی پردیسی قانونی طور پر یہاں کر بھی کیا سکتا ہے۔

اس نفسیاتی پہلو پر تفصیلی گفتگو کی چنداں ضرورت نہیں کہ جب جب غریب الوطنی کا ستم بڑھتا ہے یا جب جب غربت خط افلاس کو ٹچ کرتی ہے، کچھ نفسیاتی بیماریاں بھی ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

حرص زر، حسب موقع سرقہ بازیاں، طول امل، احساس مغلوبیت اور قلت عمل وصلاح کا احساس اس زندگی کی عام باتیں ہیں۔ چوں کہ پردیس میں نوکری کے خواہاں ہر فرد کا بنیادی جذبہ جہاں پیسے کمانے کا مشن ہوتا ہے، وہیں رفتہ رفتہ وہ جذب دروں پیسے کمانے کی مشینوں میں تبدیل سا ہو چکا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ کچھ اخلاقی کم زوریاں بھی لازمہ حیات بن چکی ہوتی ہیں۔

ہاں! اس طرز زندگی کا واضح فائدہ یہ ہے کہ یہاں کی سرینڈر زندگی عالمی برادری اور بطور خاص مسلم دنیا کے نوع بنوع تجربات اور اخلاقی مراحل سے بہت گزار دیتی ہے یعنی جو تجربات کئی ملکوں کی خاک چھاننے کے بعد حاصل ہوتے ہیں،

یہاں آسانی سے حاصل ہیں۔ عرب میں عام سطح کی مزدوری کرنے والا بتا سکتا ہے کہ سوڈانی/فلسطینی/یمنی/مصری/شامی لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہم درد میزبان اور ہمیں دمام سے ریاض کے حوالے کرنے والے کرم فرما اعجاز خان شیرانی جتنے شکل و شباہت سے مخلص ہیں، اتنے ہی عملاً سادہ لوح اور بھلے منش ہیں۔ ہمیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ عربی سے کہیں زیادہ اچھی انگریزی بولتے ہیں اور بے تکان بولتے ہیں کیوں کہ ان کی 27 سالہ عربی زندگی کا بیشتر حصہ پٹرولیم میں کام کرنے والے بلکہ عملاً پٹرولیم انڈسٹری پر قابض انگریزوں کے معیت و رفاقت میں گزرا ہے۔ جیسے الگ الگ یوروپی ممالک کے لہجوں میں بات کرتے ہیں، ویسے ہی گاڑی دوڑاتے ہوئے دھڑلے سے بتاتے ہیں کہ کہاں کہاں کے گوروں کا کیا کچھ مزاج اور رویہ ہوتا ہے۔

دمام میں ہماری اپنے شیرانی بھائیوں سے خوب اور پر خلوص ملاقاتیں رہیں۔ ادارہ قرآن کے لیے نوجوانوں کا جذبہ دیدنی تھا۔ ضیافتوں کی ہوڑ، پردیس میں اپنائیت کا احساس، علاقے کے لیے دردمندی، اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر اور سماجی بے راہ رویوں پر قدغن لگانے کا نظریہ تقریباً مشترک تھا۔

شیرانی پٹھان پچھلے ٹھیک 50 سالوں سے عرب دنیا کے کئی ملکوں میں برسر روزگار ہیں اور عرب کے حالات، مزاج اور اتار چڑھاؤ سے جتنے واقف ہیں، اتنے ہی جفاکش بھی ہیں۔ ہمارے ان بھائیوں نے بادشاہ کے بنگلوں میں بھی کام کیا ہے اور صفائی ستھرائی کا بھی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ نہ اپنی وفاداری پر آنچ آنے دی اور نہ ہی اپنے کردار و عمل کو داغ دار کیا۔

آئیے! کل ریاض کے لیے رخت سفر باندھیں، اس سے پہلے زندگی کے اس اطمینان بخش پہلو پر بھی نظر دوڑالیں: ایک مدت دراز کے بعد زندگی کو یہ پر سکون لمحات میسر ہیں، جب پانچ دن گزر گئے اور وبال جان موبائل کی رنگ ٹون ہمہ جہت بند ہے۔

قسط 5: عرب کی شاہی شاہ راہیں

28/مارچ کا دن گزار کر مغرب کے وقت ہم اعجاز خان شیرانی کی قیادت اور ان کے داماد شیر محمد خان کی ڈرائیورنگ میں ریاض کے لیے روانہ ہوئے۔ دن گزارنا اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ عربی شاہ راہوں پر موسم گرما میں ریتیلی ہواؤں کے تھپیڑے چلتے ہیں۔ ان تھپیڑوں میں گاہے گاہے اتنی تیزی ہوتی ہے کہ گاڑی کو بھی چلنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ مغرب کے وقت بھی ہم نے ایک بار شیشہ اتارا تو ایک خوف ناک قسم کے گرم جھونکے نے دامن میں مٹی ڈال ہی دی۔

دمام سے ریاض کی مسافت 408 کلومیٹر ہے جسے طے کرنے میں کسی سست رو کو بھی چار گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اس 6 لائن ہائی وے پر چڑھ جانے کے بعد 140 کلومیٹر فی گھنٹہ سے کم رفتار رکھنا ڈرائیورز کے لیے ہی نہیں، اندر بیٹھے بے بس مسافروں کے لیے بھی کوفت کا باعث ہوتا ہے۔ نہ آور ٹیک کا ایشو ہے، نہ رفتار دھیمی کرنی ہے، نہ کوئی آگے آتا ہے اور نہ کوئی بریکر ہے۔ مسافران شوق ہوتے ہیں، شوق کے نتیجے میں مہمیز رفتار ہوتی ہے اور دونوں کا تختۂ مشق بے جان اور بے تکان گاڑی ہوتی ہے۔

یہاں ہائی وے کا اصول ہے۔ ہائی وے دونوں طرف سے سے محصور ہوتا ہے تاکہ کوئی بھی جاندار ایکسیڈنٹ کا شکار نہ ہو جائے اور اسی وجہ سے راہ گیروں کو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا کہ کوئی دائیں بائیں سے اپنی موت کو دعوت دیتا ہوا آجائے گا۔

یہاں ایک بہت نایاب چیز یہ دیکھی کہ ہر چالیس/پچاس کلومیٹر کے بعد ایک *جمل کبری* ہوتی ہے۔ کبری جدید عربی میں برج کو کہتے ہیں اور جمل کا مطلب اونٹ ہوتا ہے۔ یہ آور برج اس لیے بنائے گئے ہیں کہ شاہ راہ سے دائیں بائیں جنگلوں میں رہنے والے اونٹ اور دیگر جانور، اگر پاسنگ چاہتے ہوں تو ان کبریوں کا استعمال کر سکیں۔

ان راہوں پر گاڑیوں کی نوعیت کے مطابق اسپیڈ بھی مقرر ہوتی ہے اور گاڑیوں کے مطابق لائن بھی۔ اپنی لائن سے ہٹ کے چلنا ویسے ہی مخالفہ کا باعث ہے، جیسے اپنی رفتار سے بڑھ کے چلنا، لیکن زندگی سے مایوس کچھ ایسے بے نیاز بھی ہوتے ہیں، جو طے شدہ رفتار، لائن اور مخالفہ کا کوئی خیال نہیں کرتے اور اپنی گاڑی کی ممکن رفتار کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ جب ایسے سیانے قریب سے گزرتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بغل سے کوئی موت کا پیمبر گزرا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے ایکسیڈنٹ اتنے خطرناک اور حوصلہ شکن ہوتے ہیں کہ بارہا لاشوں کے چیتھڑے بکھر جاتے ہیں اور گاڑیاں چار چار دھڑوں میں دور اچھل جاتی ہیں۔

شاہ راہوں کا اصول ہے کہ جہاں اور جیسا مناسب لگے پیٹرول پمپ/ہوٹل وغیرہ نہیں کھول سکتے بلکہ ہر تیس/چالیس اور کبھی پچاس کلومیٹر کے بعد ایک خاص پوائنٹ ہوتا ہے، جہاں پیٹرول پمپ/مسجد/ریسٹورنٹ/سروس سینٹر اور مال وغیرہ تمام سہولیات یکجا میسر ہوتی ہیں۔

ہم نے کچھ جگہوں پر دیکھا کہ ایسے پوائنٹ بند کر دیے گئے ہیں۔ جب وجہ جاننے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ حکومت نے پٹرول پمپ سے لے کر دیگر لوازم کے لیے ایک جیسا ہی خاص ڈیزائن مختص کر رکھا ہے، جن جن پوائنٹس کی ڈیزائن حکومت کی طرف سے طے شدہ معیاروں پر کھری نہیں اترتی تھی، حکومت نے بنا کسی قسم کا ترس کھائے انھیں بند کر رکھا ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ پوری مملکت کے تعمیراتی کاموں میں اس بات کا بھرپور اہتمام ہوتا ہے کہ خوب صورتی، کشادگی اور یک رنگی جیسے معیارات میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو اور ان معیاروں پر کھرے اترنے کی فکر میں کمپنیوں کا بھلے دیوالیہ نکل گیا ہو لیکن حکومت اپنے اس مقصد میں کامیاب ہے۔

ریاض سے کچھ مسافت طے کرنے کے بعد اعجاز خان نے ہمیں بتایا کہ ہم جس راستے سے گزر رہے ہیں یہ 30/ کلومیٹر کا راستہ ایسا ہے، جو حکومت کی طرف سے خطرناک ڈکلیئر ہے۔ اس راستے میں نہایت طوفانی ہوائیں چلتی ہیں اور موسم سرما میں بلا کا کہرا رہتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے، خدا جانے۔

راہ چلتے ہوئے اس وقت ہمیں غیر معمولی خوشی ہوتی تھی جب کسی گاڑی کے پیچھے نمبر پلیٹ سے ہٹ کر کسی نمایاں جگہ پر RJ37 لکھا دیکھتے۔ یہ ہمارے ڈیڈوانہ کا نمبر ہے۔ یہاں ٹرک ڈرائیورز نے اپنوں سے کمیونیکیشن بڑھانے اور ملنے کا بہترین دیسی جگاڑ یہ نکال رکھا ہے کہ وہ جن گاڑیوں کی ڈرائیورنگ کرتے ہیں، ان کے پیچھے کسی نمایاں جگہ پر اپنے اصل علاقے کا کوڈ لکھ دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اپنوں سے ملاقات آسان ہو جاتی ہے۔

راستے میں ہمیں دور سے وہ پیٹرول رفائنری بھی دیکھنے کا موقع ملا، جو دنیا کا پہیہ چلاتی ہے۔ بڑے بڑے ٹینکوں کی وجہ سے دور سے بہت دور تک نظر آنے والا یہ پورا علاقہ تیل مشینری کا ہب ہے۔ یہ تیل اتنی بڑی مقدار میں ہے کہ گاڑیوں سے اس کی ترسیل ممکن نہیں، اس لیے دمام سے ریاض کے بیچ پائپ لائن بچھائی گئی ہے۔

پہلے پہر کے دھندلکوں میں دائیں بائیں جھانکتے، گپ شپ ہانکتے، ہم اب اس شہر میں داخل ہونے جا رہے تھے، جسے کبھی نجد کہا جاتا تھا اور آج اسے ریاض کہتے ہوئے، اس بات کی تاویل کی جاتی ہے کہ احادیث میں جس نجد پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے، وہ ریاض نہیں، عراق ہے لیکن یہ تاویل اتنی ہی دم دار ہے جتنا مہدویت کا دعویٰ کرنے والے شکیلی فتنے کا دعویٰ مہدویت۔

ریاض ٹریفک کا شہر ہے، ایسا ٹریفک جسے کنٹرول کرنے میں اب تک حکومت بھی ناکام ہے۔ حکومت نے خوب جتن کیے۔ شہر کو پلوں سے بھر دیا اور پورے شہر کو آپس میں جوڑنے کے لیے مرکزی نوعیت کے پانچ بڑے آور برج رنگ روڈ بھی بنائے، جنھیں دائری کہا جاتا ہے لیکن اب تک تو ان دواؤں نے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔

یہ رنگ روڈ بہت اہمیت کے حامل ہیں اور ان کا بے پناہ استعمال بھی ہے۔ ہر دائری سے اترنے کے لیے جگہ جگہ نمبر وائس مخرج یعنی ایگزٹ بنے ہوئے ہیں۔ عام طور پر لوگ اپنا ایڈریس کسی مخرج سے متعلق کر کے بتاتے ہیں۔ ہمارا قیام

مخرج 21 پر تھا، جو ریاض کا سینٹرل پوائنٹ ہوتا ہے۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے اور ہمارے بوڑھے مگر ہمت سے جوان ریاضی میزبان لقمان حیات خان بصد شوق روڈ پر کھڑے ہمارے منتظر تھے۔ سفر چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اب کے دور میں اس کے آداب کا حصہ یہ بھی ہو چکا ہے کہ اس کے بعد آرام کیا جائے۔

قسط6: جدت پسند مملکت کی پرانی راجدھانی

ریاض جتنا اپنی بساوٹ میں پرانا ہے، اتنا ہی اس کے مزاج میں بھی پرانا پن ہے۔ اس پرانے پن سے مراد یہ ہے کہ عام طور پر عرب بھر میں جن بیماریوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا، وہ یہاں ڈنکے کی چوٹ پر پائی جاتی ہیں۔ جس مملکت میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہو، وہاں چوری کی ہمت جٹا پانا کتنا مشکل کام ہوگا، بتانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ اسے حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات کے تاثیر کہا جائے یا کچھ اور، ریاض میں بلا کی چوری چکاری پائی جاتی ہے اور دن دہاڑے لوٹ مار۔ ہمیں اپنے کئی رفیق ایسے ملے، جنھیں موقع پاکر کالوں نے کبھی چاکو کی نوک پر ڈرایا اور کبھی گھیر کر لوٹنے کی کوشش کی۔

یہاں کے چور اتنے باکمال بتائے جاتے ہیں کہ پوری گاڑیاں اچک لے جاتے ہیں اور ان کے ہاتھ کی صفائی ایسی کہ پرزے پرزے کرکے بیچ دیتے ہیں، اس طرح کہ گاڑی کے ملنے کے چانس ہی ختم ہوجائیں۔

عرب دنیا میں بھیک ہی نہیں، چندہ مانگنے پر بھی مکمل پابندی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں بھکاری نظر نہیں آتے لیکن ریاض ایسا جری شہر ہے، جہاں برقع پوش عورتیں دھڑلے سے دھمکاتی نظر آتی ہیں، تقریباً ویسے ہی جیسے ہمارے یہاں راستوں کے کنارے خوار ہوتی بے چاری غربت۔

بتایا جاتا ہے کہ یہ عورتیں اتنی تیز رو اور شاطر ہوتی ہیں کہ جیسے ہی انھیں پولیس والے نظر آتے ہیں، ان کا سراغ نہیں ملتا۔

بطحا یہاں قلب شہر میں گنجان آبادی والا پرانا اور ایک حد تک بدنام خطہ ہے، جسے عجمی بھتہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ جب ہمیں یہ پتہ چلا کہ عرب کا بطحا، عجم کا بھتہ بن گیا ہے تو غیر شعوری طور پر مسکراہٹ لبوں پر کھیلنے لگی۔ ہم لوگ ہر کسی ترقی یافتہ جگہ کو صرف رنگ روپ سے ہی بمبئی بنانے کا ہنر نہیں جانتے، اس کے نام کی بھی درگت بنا سکتے ہیں۔ سہولیات زندگی کی یکجا فراہمی سے لے کر زندگی کو دو بھر کرنے والے تمام کاموں کے لیے مقدس نام والا یہ خطہ ویسے ہی مرکز ہے، جیسے بمبئی۔

روڈ جام رہنا عرب کی عام بیماریوں میں نہیں لیکن یہ ریاض کی خاص بیماری ہے۔ دائری کے علاوہ اگر کوئی کسی راستے میں پھنس گیا تو کہا نہیں جاسکتا کہ وہ کتنی دیر تک پھنسا رہے گا۔ ہمیں جو سمجھ میں آیا، اس کی ایک اہم وجہ یہاں پبلک ٹرانسپورٹ کا نہ ہونا بھی ہے۔ ریاض میں میٹرو کا کام جاری ہے لیکن یہاں چند بڑے شہروں کو آپس میں جوڑنے والی سرکاری * ساپکو * بسوں کے علاوہ پبلک ٹرانسپورٹ کے طور پر سٹی بس یا دیگر سواریوں کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔

ریاض کے راستوں کی سب سے بڑی خوب صورتی یہ کہی جاسکتی ہے کہ بہتیرے راستوں کے نام صحابہ کے ناموں پر ہیں البتہ کچھ راستے ایسے ناموں سے بھی منسوب ہیں، جن پر اسلامی دنیا لعنت بھیجتی رہی ہے۔

جام کی وجہ سے عام شہروں میں جتنے وقت میں دوگنا کام کیا جاسکتا ہے، ممکن ہے ریاض میں اس کا پچاس فیصد ہی ہو یا اس سے بھی کم۔ اگر آپ قلب شہر سے کسی ایک راستے پر نکل گئے تو کئی گھنٹے راستے میں ضائع ہونا معمول کی بات ہے۔

ہاں اگر کوئی جام کا شکار، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شہر دیکھنا چاہے تو دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔ ہر جگہ رویۃ یعنی ویژن 2030 کے اشتہارات ہیں اور جنگی پیمانے کی سی تیاریاں۔

عرب کے موجودہ بادشاہ کنگ محمد بن سلمان نے یہ منصوبہ بنا رکھا ہے کہ 2030 تک ریاست کو معاشی طور پر نہایت مستحکم اور خود کفیل بنانا ہے اور محض تیل کے ذخائر پر سے معاشی انحصار ختم کرنا ہے۔ اس دل فریب ویژن کی تکمیل کے لیے بہت سے قابل بیان اور ناقابل بیان وہ کام سرانجام دیے جارہے ہیں، جن کی تفصیل کے لیے انتہائی تفصیلی مضمون چاہیے، مختصراً یوں سمجھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے:

ویژن 2030 کا اہم حصہ سعودیت یعنی لوکلائزیشن ہے۔ ہر اہم اور بطور خاص مال یا کیش سے متعلق عہدے پر سعودی ہونا چاہیے، بھلے اس کے فن اور مزاج کا خیر سے اپنی نوکری کی دنیا سے کوئی علاقہ نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے ہر کمپنی میں سعودیوں کی فیصدی حصہ داری اور ان کی معقول تنخواہیں مختص کی گئی ہیں۔ پردیسیوں کی جہاں ہنرمندیوں کے بعد پانچ ہزار ریال تنخواہ، خاصی مانی جاتی ہے، وہیں سعودیوں کی بنا ہنرمندی کے بھی سات ہزار سیلری فکس ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ یہ بے ہنرے نہ صرف کمپنیوں پر مسلط ہیں بلکہ یہ اپنے آفسوں میں بیٹھ کر خرمستیاں اور خانہ جنگیاں کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے بارہا کمپنی مالکان ان سے دست بستہ عرض گزار ہوتے ہیں:

حضور! آپ اپنے گھر پر تشریف رکھا کریں تاکہ آپ کی وجہ سے آفس کا نظام درہم برہم نہ ہو، ان شاء اللہ آپ کا مشاہرہ/نذرانہ بنا کسی کمی بیشی کے آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو جائے گا۔ لیکن پھر بھی بارہا انتظامیہ کے ڈر سے ان بزرگ ہستیوں کو کیش کاؤنٹر پر بٹھانا کمپنیوں کی ایسی مجبوری ہے، جس کا وہ اب تک کوئی علاج نہیں تلاش کر پائیں۔ یعنی بادشاہ سلامت نے گھر بیٹھے مفت میں وظیفے دینے کی بجائے، اپنے شہریوں کو نوکریاں دی ہیں لیکن بے ہنری جو پہلے مفت خوری کے ساتھ تھی، اب مسلط ہو کر ہے۔

سعودی گورنمنٹ نے ماضی قریب میں کئی قسم کے ٹیکس لازم کیے ہیں۔ کمپنیوں سے ٹیکس کے علاوہ زکات بھی لی جاتی ہے اور ٹیکس کا یہ نظام اتنا مضبوط ہے کہ اگر کوئی پردیسی اپنی فیملی کے ساتھ رہنا چاہے تو صدقہ فطر کی طرح گھر کے ہر ممبر کی طرف سے سالانہ رہائشی ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔

ریاض کے اطراف میں ہاؤسنگ سوسائٹی مسلسل تعمیراتی کام کر رہی ہے اور ہر طرح کی رہائشی سہولیات سے آراستہ یہ دیدہ زیب فلیٹ معمولی قسطوں پر ان سعودیوں کو الاٹ کیے جاتے ہیں، جو قسمت سے تعلیم یافتہ ہیں۔

دنیا کا لارجسٹ پارک کنگ سلمان پارک اپنی مصنوعی ہریالی کے ساتھ پورے جوش اور مہنگے داموں پر زیر تعمیر ہے، جسے ہر طرف سے بڑے بڑے ہورڈنگس نے گھیر رکھا ہے۔ ان آویزاں ہورڈنگس پر اب صرف بادشاہ، شاہی فیملی

اور شاہی ویژن کی ہی تصویریں نہیں، نیم عریاں نسوانی تصویریں بھی دن دہاڑے آویزاں ہیں جبکہ انھی کے بیچ کہیں آیات تذکیر اور کلمات خیر بھی نظر آجاتے ہیں۔

پرانے لوگ کہتے ہیں کہ اب سے پہلے کسی خاتون کی تصویر کا یہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ لیڈی ایڈورٹائزمنٹ کی یہ نیم عریاں تصویریں کچھ یہیں تک محدود نہیں بلکہ بنا اسلامی امتیاز کے اب ہر چوک چوراہے پر ویسے ہی آویزاں ہیں جیسے کسی مغربی تہذیب کے حامل ملک میں ہوا کرتی ہیں۔ شاید یہ پڑھنے کے بعد عرب کی پرانی تصویروں کے ساتھ جینے والوں کو اس بات پر تعجب نہ ہو کہ اب کے عرب میں لیڈی ڈرائیورنگ اور لیڈی جاب پورے شباب پر ہے اور اب آہستہ آہستہ ویسٹرن کلچر اپناتے ہوئے اپنی تقریبات میں شراب اور رقص کا بھی علانیہ اہتمام مضائقہ نہیں سمجھا جارہا ہے۔

ویژن 2030 کی انتہا مدینے سے کوئی 700 کلومیٹر شمال مغرب کی جانب ساحل پر ہنوز زیر تعمیر اس ماڈرن شہر کو مانا جارہا ہے جو نہ صرف اپنے نیچر کے لحاظ سے فری سٹی ہوگا بلکہ اس میں خود سعودی عرب کا بھی قانون نہیں چلے گا۔ گوروں کی سرپرستی اور انہی کی نگرانی میں تعمیر ہونے والے اس شہر کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ یہ دوبئی کا اپ گریڈ ماڈل ہوگا، جہاں دنیا کی ہر بڑی کمپنی کا ہیڈ آفس ہوگا اور جہاں انسان ہر وہ کام کرنے کے لیے سو فیصدی آزاد ہوگا، جو وہ کرنا چاہتا ہے۔ اس شہر کو بہت سیکیور رکھا گیا ہے اور آئندہ بھی اس کی سٹیزن شپ کسی غریب غربے کا مقدر نہیں ہوگی۔ یہ شہر کیسا ہوگا؟ اس کے ڈھانچے سے لے کر تعلیمی نظام اور معاشرت سمیت ہر پہلو پر مارکیٹ میں بہت سی افواہیں ہیں لیکن تجربے کی بات یہ ہے کہ ایسے پراسرار شہروں کے بارے میں جتنے اندازے لگائے جاتے ہیں، کئی بار یہ ان سے بھی اکیس ہوتے ہیں۔ کیوں کہ قبل از وقت ان کے راز کیا باہر آئیں بلکہ غریب عقلوں کی رسائی بھی کتنی، یہ وہ اونچی توپیں ہوتی ہیں، جو بن بس جانے کے بعد بھی راز ہی رہتے ہیں۔ ہاں! جاننے والے اتنا ہی جان پاتے ہیں کہ ان کی اینٹیں اسلامیات کے لاشے پر چنی ہوتی ہیں اور بس۔

ریاض کی دوسری شام کا کھانا ہم نے گجراتی بنیے کی اونر شپ میں چلنے والی "انڈین سیزن ہوٹل" میں تناول کیا، جس کی میزبانی کرم فرما انجینئر محمد لیاقت صاحب نے کی۔ انجینئر صاحب جتنے سنجیدہ ہیں، اتنا ہی خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہیں۔ نئے لوگوں کو جاب دلانے میں مدد کرنا، انھیں ٹریننگ دینا اور قدم قدم پر رہ نمائی کرنے والی ادائیں، کس کو نہ بھائیں۔ اسٹار ہوٹل کے پر تکلف کھانے کا ذائقہ، ہمارے مستقل میزبان لقمان حیات خان کے اس جملے کے ساتھ دو بالا ہوگیا: جن ہوٹلوں میں قدرے اندھیرا ہوتا ہے، وہ بل کے متعلق بہت اندھیرے میں رکھتی ہیں۔

قسط 7: مون کیلینڈر کا پہلا عربی روزہ

عرب کی ترقی کے دو بڑے اہم راز ہیں: عام طور پر یہاں بدعنوانی نہیں اور دوسرا یہ کہ ہر ترقیاتی کام میں براہ راست حکومت کی نگرانی ہوتی ہے۔ جو کام کمپنیوں کے ٹھیکوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ان کی بھی نہ صرف کوالٹی بلکہ رفتار اور گورنمنٹ کی طرف سے طے شدہ معیار کی بھی بار بار چیکنگ ہوتی رہتی ہے اور اگر کوئی بھی کام غیر معیاری پایا گیا تو اسے زمیں دوز کرنے میں حکومت کو ذرا ترس نہیں آتا۔

اسلامی حکومت کا رنگ ڈھنگ ہونے کی وجہ سے مزدوری سے لے کر آفیشیل کاموں تک تقریباً سب کا نقطہ آغاز فجر بعد کا وقت ہوتا ہے جبکہ شام چار بجے ورکرس تھکے ہارے پرندوں کی طرح اپنے ٹھکانے لوٹ رہے ہوتے ہیں اور شب جمعہ تا شام جمعہ چھٹی کا دن ہوتا ہے۔

یہاں الگ الگ علاقوں میں دعوتیں اڑاتے ہوئے ہم نے اس بات کا احساس کیا کہ یہاں ہمارے جیسے غریب ملکوں کی طرح فوڈ کوالٹی میں سمجھوتہ آسان نہیں جبکہ مشروبات میں جتنا تنوع یہاں پر ہے، ہمارے ہاں نہیں۔ رنگ برنگے نوع بنوع جیوس اور قسم قسم کی اشیائے خورد و نوش، ہر جگہ دست یاب ہیں۔ یہاں روٹیاں ہاتھ سے بنانے کا رواج نہیں، دوکانوں سے خرید کی جاتی ہیں اور یہ دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک جو قدرے مائل بہ سفیدی ہوتی ہیں، جنھیں خبوس کہتے ہیں اور دوسری جو قدرے سیاہ جنھیں تمیز کہا جاتا ہے۔ خبوس روٹی تندوری کا مزہ دیتی ہے اور تمیز کو مہذب باجرہ روٹی کہیے۔ ان دونوں سفید و سیاہ میدوں نے اتنی آبرو بچا رکھی ہے کہ یہاں آدھے گھنٹے میں بہترین دعوت کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

یہاں کی چھوٹی دوکانوں کی بھی معقول سائز ہوتی ہے، جن میں ہر چیز بڑے سلیقے سے سجائی ہوتی ہے۔ ریڑھی اٹھائیے، اپنے مطلب کا سامان لیجیے، کاؤنٹر پر آئیے، پیسے دیجیے اور باہر جائیے۔ مال کی سائز علاقوں کے مطابق اتنی بڑی بھی دیکھی ہے کہ بلا مبالغہ دیہی علاقے میں کوئی سی بی ایس ای پیٹرن اسکول کھولا جا سکے یعنی دو ایکڑ۔ ان مالز میں دل کھول کر جائیے تو کئی مہینوں کی تنخواہیں ناکافی ہوں۔ کون سا سامان ہے جو دست یاب نہیں۔

لولو ہایپر سپر مارکیٹ یہاں کا محبوب ترین مال ہے، جس کی صرف سعودی عرب میں کوئی ڈیڑھ سو شاخیں ہیں۔ کیرلا کے محمد یوسف نے زمین سے اٹھ کر اس کا آغاز کیا تھا اور آج وہ کتنے بڑے قد کے حامل انسان ہیں؟ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انھیں بشمول سعودی عرب کے کئی عرب ممالک نے نیشنلٹی دے رکھی ہے اور یہ یہاں بجائے خود بہت بڑا اعزاز ہے۔ بتاتے ہیں کہ جب وہ یہاں آتے ہیں تو ان کا شاہانہ سا استقبال ہوتا ہے۔

الگ الگ لوگوں سے ملتے ملاتے اور جگہ جگہ آتے جاتے ہمیں یہاں ایک ہی شہر میں کئی رنگ نظر آئے۔ ایک مرتبہ دو لمبی چوڑی وادیوں کے بیچ باریک سے نظر آنے والے راستے سے گزرے، ان وادیوں کی خوب صورتی دیکھنے لائق تھی اور کمال قدرت یہ کہ وادیوں سے ٹھیک آگے نکلتے ہی بڑے زبردست پہاڑ نظر آئے۔

چلتے چلتے ہم وہاں بھی پہنچے جہاں ہمارے لوگ گلہ بانی کا کام کیا کرتے ہیں۔ ہم نے یہ پایا کہ یہاں بکریاں چرانے والوں میں بھی ایک سلیقہ ہے اور بکریوں کے اندر بھی رہنے کا ایک ڈھنگ۔ ہر بڑے شہر کے کسی خاص علاقے میں بکریوں کے ریوڑ بندھے ہوتے ہیں، جہاں سے وہ پورے شہر میں سپلائی ہوتی ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ بکریوں کے ایواڑوں کا بھی ٹھیک ٹھاک معاوضہ ہوتا ہے اور ٹھیک ٹھاک ہی کمائی۔

یہ چیز صرف بکریوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، سروس ایریا بجائے خود اپنی الگ دنیا لگتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کا اسکریپٹ ایریا جداگانہ جہاں۔

راہ چلتے ہوئے دو چار مرتبہ ہم اس خاص برج سے بھی گزرے جسے انڈین کی زبانی تاروں والی برج اور سمجھنے کے لیے کہیں تو ہاوڑہ برج بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ یہ دیدہ زیبی، لمبائی، تار نما کھمبوں کے اونچائی اور مضبوطی میں ہاوڑہ برج سے کہیں زیادہ اپ گریڈ ہے۔

شہر کی گرد چھانتے ہوئے یہ بات بہت بھائی کہ جگہ جگہ قرآنی آیتیں اور احادیث کریمہ کے مقدس جملے بطور تذکیر نظر آتے ہیں البتہ یہ شاید ہماری فکری مجبوری ہے کہ کچھ باتیں بہت چبھین بلکہ اب تک چبھ رہی ہیں اور بہت ممکن ہے غیرت مندی کے ناطے آپ کو بھی چبھین:

باتوں باتوں میں ہمیں تفصیل سے یہ جاننے کا موقع ملا کہ عرب کی فیملی لائف، بھارت کی فیملی لائف سے بالکل الگ اور اپنے آپ میں کافی ڈسٹرب ہے۔ یہاں بنا جہیز کے سادہ انداز میں شادیاں ہوتی ہیں البتہ شادی سے پہلے مرد کو چند چیزوں کا نہایت پر تکلف اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ اچھی گاڑی، محفوظ اور مستقل مکان، کیوں کہ عربی دوشیزائیں جوائنٹ فیملی میں گزر بسر نہیں کر پاتیں۔ حسب ضرورت خدام اور کام گار۔ کافی گراں مہر۔ یہ تمام چیزیں تقریباً شرط کے درجے میں ہوتی ہیں۔

شادیوں کو لے کر عربوں میں کافی جوش پایا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج عام مزاج ہے اور مزاج کی یہ رنگینی بڑھاپے تک چلتی رہتی ہے جبکہ والدین کی خدمت یہاں ایک موہوم تصور ہے۔ ماں باپ سے بالکل الگ تھلگ رہتے بچے اگر مناسب سمجھتے ہیں تو بوڑھے والدین کو جیب خرچ بھر کچھ دے دیتے ہیں، ورنہ نوجوان بچے اپنے بوڑھے باپ کو ایک محدود رقم کے علاوہ زیادہ کچھ دینے سے اس لیے گریز کرتے ہیں کہ اگر بوڑھے کو مہر بھر پیسے مل گئے تو یہ کل ہی نئی شادی کر لے گا۔

یہ کلچر سا بن گیا ہے کہ بنا خرچ کی سادہ شادیوں کی وجہ سے جیسے خوب شادیاں ہوتی ہیں، ویسے ہی خوب طلاقیں بھی ہوتی ہیں۔ دوشیزاؤں کو اس بات کا اہتمام کرنا ہوتا ہے کہ گراں مہر وصول کیا جائے اور نوجوانوں کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ مہر اور رہن سہن کا انتظام کتنا پختہ ہے۔ دونوں ذہنیتوں کے تجربات کا یہ تسلسل عمر کی اس منزل تک چلتا رہتا ہے، جب تک دوشیزگی ڈھل نہیں جاتی اور نوجوانی کے چہرے پر جھریاں نہیں پڑ جاتیں۔ شادیوں کا یہ مردانہ جذبہ کچھ اپنی زمین تک ہی

محدود نہیں، ہماری زمین حیدرآباد تک بھی اپنے پورے ذوق اور شوق کے ساتھ سفر کرتا رہتا ہے۔

ہمیں یہ بات بالکل نہ بھائی کہ عرب کے کئی شہروں میں نہ صرف یہ کہ انڈین سنگھ پریوار کے کارندے سنگھی کاموں میں بہت فعال کردار ادا کر رہے ہیں اور یہاں سنگھ کی چھوٹی سی متحدہ دنیا بسائے ہوئے ہیں بلکہ عرب میں کمائی ہوئی دولت سنگھ کی خدمت کے لیے انڈیا میں بھی خوب ترسیل کی جا رہی ہے اور اندرون خانہ فنڈ ریزنگ کا بھی ٹھیک ٹھاک کاروبار چل رہا ہے۔

عرب کا تکنیکی سسٹم اور اس سسٹم پر اعتماد اتنا زبردست ہے کہ احادیث کریمہ کی واضح تصریحات کے باوجود عوام کیا، حکومت بھی چاند دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ مون کلینڈر کے ذریعے طے شدہ رویت ہلال پر پہلے سے اتنا مضبوط اعتماد ہوتا ہے کہ ہر کوئی پر اعتماد لہجے میں نہ صرف یہ کہ بتاتا ہے بلکہ مانتا بھی ہے کہ فلاں تاریخ کو چاند ہونا ہے اور فلاں کو عید۔ یہاں چاند کو لے کر وہ لے دے کبھی نہیں ہوتی جو ہمارا ہر سال کا مقدر ہے۔ لیکن سوچتا ہوں تو دل کڑھتا ہے کہ ایک طرف تکنیکی نظام پر اتنا بھروسہ ہے کہ شریعت کی بھی پرواہ نہیں اور دوسری طرف شریعت کے اہتمام کا اتنا ڈنکا ہے کہ تکنیک کا ثانوی درجے کا سہارا لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے یعنی نتیجتاً بھولا مسلمان جہاں کہیں بھی ہے، چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں ہے۔

یہ پہلا موقع تھا جب چاند ماما کی کچھ بھی شد بد لیے بنا ہم نے ایک نظام پر بھروسہ دیکھا تھا۔ ہم کچھ دنوں سے نوٹ کر رہے تھے کہ چاند نظر آنے سے پہلے ہی رمضان کی ضروریات کی فراہمی کے لیے پر اعتماد لہجے میں روڈ جام تھے۔

ہمیں جلدی تھی کہ رمضان کا پہلا دن مدینے میں گزار سکیں لیکن کرم فرما لقمان حیات خان صاحب کا اصرار دل پذیر اس طرح زنجیر پا بنا کہ پہلی سحری ہی نہیں، افطاری بھی انہی کی میزبانی میں کرنا پڑی۔

روزے داروں کو افطار کروانے کے لیے یہاں کا جوش دیدنی ہوتا ہے۔ مفت میں پیکٹ بانٹے جاتے ہیں۔ مسجد مسجد پر تکلف اہتمام ہوتا ہے۔ بہت سے چوراہوں پر غریبوں کو افطار کٹ دیے جاتے ہیں۔

ایک طرف لقمان حیات خان صاحب کو پر تکلف افطار کی سوجھی تھی اور دوسری طرف ہمارے سر میں زندگی کے سب سے قیمتی سفر، سفر مدینہ کا سودا سمایا تھا۔ کب افطار کی فارملٹی پوری ہو اور کب اس شوق جنوں کی تکمیل۔

قسط 8: مدینے کی پہلی مسافرت

سعودی میں پہلے روزے کی افطار اور انڈیا میں پہلی تراویح کے آس پاس کے وقت 2/اپریل 2022 شام ساڑھے سات بجے کا وقت ہماری زندگی کا وہ مبارک، تاریخی اور یادگار وقت تھا، جب ریاض کی مشکوک زمین سے ہمارا 3 نفری قافلہ، یہاں سے کوئی ساڑھے آٹھ سو کلومیٹر کی مسافت پر واقع اس شہر کے لیے پابہ رکاب تھا، جس کے لیے دنیا بھر سے ہر روز لاکھوں دل روانہ ہوتے ہیں، روتے ہیں، آہیں بھرتے ہیں، وابستہ رہتے ہیں اور ہر وقت اسی کی دھونی رماتے ہیں، اسی کی دھن پالے رہتے ہیں۔ نہ جانے کب سے اس شہر کی منقبتیں لکھی جارہی ہیں، اس کے در و دیوار سے پیار کیا جاتا ہے، اس کے سگان کو سے وفاداریوں کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، اس کی ہواؤں سے آرزوئیں وابستہ کی جاتی ہیں، اس کے وسیلے سے دعائیں کی جاتی ہیں، اس میں مرمٹنے کے ارمان تڑپتے رہتے ہیں اور اس کے کانٹوں کو دل میں جگہ دی جاتی ہے۔ دراصل شہر مدینہ ہے ہی ایسا، جو ہر ایک کو اپنا شہر لگتا ہے، جو سب کے لیے طیبہ ہے، سب اس سے اور وہ سب سے انس رکھتا ہے۔ ایسا شہر جو کسی کو پردیسی نہیں مانتا، مرادوں کے دامن بھرتا ہے، کسی دل میں مایوسی نہیں آنے دیتا، یاری دوستی اور خاندانی اپنائیت سے کہیں زیادہ اپنائیت کا احساس کراتا ہے۔ جی ہاں! دیکھنے میں مدینہ بھی اینٹ گارے سے چنے گئے مکانوں اور عام شہروں سی راہوں کا ہی شہر ہے لیکن خدا جانے اس شہر کا خمیر کیسے نور سے تعمیر کیا گیا ہے جو ماں کے کلیجے جیسا تعلق نبھاتا ہے۔ گناہ گاروں کو نیکیوں کی امید دینے والا شہر۔ نیکوکاروں کا مرتبہ بڑھا دینے والا شہر۔

ظاہر ہے یہ سفر شوق، دیوانگی کا سفر ہونا تھا۔ ایسی دیوانگی جس نے طبیعت کی بے چینی بڑھا دی تھی۔ گاڑی کے پہیے گھوم رہے تھے اور اندر ہی اندر ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم بہت لیٹ ہو چکے ہیں۔ سچائی بھی یہی تھی کہ ہم بہت لیٹ ہو چکے تھے۔ 33 سال لیٹ۔ بھلا یہ سفر بھی اتنا مؤخر ہونا چاہیے تھا! یہ سفر روڈ پر سرپٹ دوڑنے کا سفر نہیں، شوق بے پایاں کا والہانہ سفر تھا۔

عمر میں کافی کم لیکن تجربے میں اپنی عمر سے تقریباً دوگنے ہمارے ڈرائیور حسین بھائی ہمیں راہ مدینہ پر ڈالنے کے بعد سب سے پہلے ریاض سے کوئی ڈیڑھ سو کلومیٹر دور سر راہ واقع ملھم نامی گاؤں لے گئے، جو ایک انڈسٹریل ایریا ہے۔ ہم نے یہاں پہلی بار دیکھا کہ ٹرکوں کی آواجاہی، اڑتی دھول، دھواں دھواں ماحول اور انڈسٹریل گہما گہمی کے اس علاقے کی روڈیں ویسی ہی تھیں، جیسی ہمارے یہاں کی انڈسٹریز کی چوپٹ اور ٹوٹی پھوٹی روڈیں ہوتی ہیں۔

یہاں اپنے کچھ احباب سے ملنے ملانے کے بعد ہمیں بے تکان ساڑھے آٹھ سو کلومیٹر چلنا تھا۔ یہ تو امید نہ تھی کہ سحری مدینے میں کر سکیں گے لیکن یہ ارادہ تھا کہ نماز فجر مدینے میں پڑھ سکیں گے، سو ایسا ہی ہوا۔

ملھم سے کافی آگے بڑھنے کے بعد "شقرا" نامی گاؤں آیا۔ اس گاؤں سے ہماری غمگین یادیں وابستہ ہیں۔ ہماری والدہ کے ماموں فخر الدین خان شیرانی کوئی تیس سال پہلے اسی گاؤں کی کسی کمپنی میں کام کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور یہیں

ان کی آخری آرام گاہ ہے۔ دل مدینے کی یاد میں پہلے ہی آبدیدہ تھا، فخر الدین ماما کی یاد نے اس غم کو دوگنا کر دیا۔ رات کا وقت، پردیسی قبرستان اور اجنبی مسافرت۔ اس بات کی گنجائش نہیں نکل سکی کہ ہم ماما کو قبرستان جا کر سلام نیاز پیش کر سکیں، چلتی گاڑی میں فاتحہ پڑھی اور ان کے لیے مغفرت کی دعائیں کی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ دے اور آج تک اپنے میکے رتلام میں ان کی یاد وفا میں بیوگی کی زندگی گزارتے گزارتے بوڑھی ہو چکی ان کی شریک حیات عابدہ ممانی کو اس صبر عظیم پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ اللہ نہ کرے زندگی کسی میاں بیوی کو ایسے حسرت ناک دن بھی دکھائے، جب کوئی بے زبان بیوہ اپنے اجڑے سہاگ کی مٹی پر حسرت کے دو قطرے بھی نہ بہا سکے اور اس کی وفاداری کا حوصلہ ایسا ہو کہ وہ اپنی پوری زندگی اسی حسرت و یاس میں گزار دے۔ اللہ نہ کرے۔ اللہ نہ کرے۔

شقرا کے بعد واقع المجمع میں شہادت خان شیرانی اس بات کے مشتاق تھے کہ سر راہ ملاقات کریں لیکن وہ کمپنی کے جس کیمپ میں رہتے ہیں، وہ پابندی کے ساتھ رات دس بجے بند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کسی صورت کسی سے ملنے جلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہمیں اپنوں کی اس بے کس زندگی پر جتنا افسوس ہوا، اتنا ہی بے مروت کمپنیوں کے رویے پر کوفت بھی ہوئی لیکن ظاہر ہے افسوس ہو یا خوشی، کمپنی کی صحت پر ہماری درگت سے کوئی فرق نہیں پڑنا۔

القصیم میں بھی کچھ احباب سے ملنا تھا لیکن ان کے کہنے کے باوجود رات گئے مناسب نہ لگا کہ سفر مدینہ میں تاخیر کا کوئی نیا سبب تلاش کیا جائے۔

6/لائن سراب سی شفاف روڈ، 140 کی اسپیڈ، گزرتی رات کا وقت، دیدار مدینہ کا اشتیاق، سمٹتا ہوا فاصلہ اور فاصلوں کو تکلف ہے ہم سے اگر، ہم بھی بے بس نہیں، بے سہارا نہیں /حال دل کس کو سنائیں آپ کے ہوتے ہوئے/ میری بات بن گئی ہے تیری بات کرتے کرتے جیسی نعتوں کی بلند آواز سے گونجتی اور سرپٹ دوڑتی گاڑی میں سے کون سا پہلو ہے، جو آنکھوں کو مخمور ہونے دے۔ آنکھوں آنکھوں میں پوری رات نکلی اور کب نکل گئی پتہ بھی نہ چلا۔

ڈرائیور کے بغل میں حافظ صاحب تشریف فرما تھے اور پیچھے میں اکیلا۔ حافظ صاحب بھی اپنی دھن میں مست تھے اور میں بھی اپنی دنیا میں گم۔ کبھی کسی نعت کا شعر جوش پیدا کرتا تو کہیں سر راہ لکھی ہوئی آیات تذکیر، کلمہ طیبہ اور استغفار کے نقوش بے چینی بڑھاتے۔

ایسا لگتا تھا جیسے جیسے فاصلہ سمٹ رہا ہے، کوئی مافوق الفطرت کشش اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کبھی خود سے عظمت رسالت پناہ ﷺ کی آیات دل و دماغ پر ابھرتیں اور کبھی زبان پر بے ساختہ یا رسول اللہ کی مست ندا بلند ہو جاتی۔

عام طور پر آگے کی سمت ہی نظریں گڑھی رہیں لیکن جب کبھی دائیں بائیں نظر پڑی تو ایک سنسان بیابان کو ہستانی اور ریگستانی سلسلہ نظر آتا تھا لیکن دوسری تاریخ کی تاریک ترین رات میں بھی دہشت کی بجائے ایک قسم کی اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اس اونچے شاہراہ سے دور کہیں چمکتی آبادیاں اور کہیں کہیں انڈسٹریل ایریا کی لائٹنگ نظر آتی۔

ہمارے عزیز ترین دوست، ادارہ قرآن کے رکن رکین اور ذاکر القلب انجینئر محمد امین صاحب کا یو کے سے اس سفر کی

مبارک باد، اس کے آداب، اس کے شوق اور اس کے استفاضے کا میسج آیا۔ بتانے کی ضرورت نہیں کہ برکات نبوت سے فیض پانے والا ذاکر القلب قلندر اس سفر کو کس نظر سے دیکھتا ہوگا۔ چار/پانچ منٹ کی اس وائس ریکارڈنگ نے کافی دیر کے لیے حالت دیگر کر دی۔ ریکارڈنگ کی ابتدا تھی: واہ کیا بات ہے! میں مدینے چلا، میں مدینے چلا۔

ادھر رمضان میں شب بیدار رہنے کے عادی بچوں سے بذریعہ فون رابطہ ہوا تو ان کی ستم ظریفی کا بھی جدا حال تھا۔ ساڑھے چھ سال کا فروغ علیم ضد پالنے لگا کہ آپ مجھے مدینہ کیوں نہیں لے گئے؟ نو سال کی درخشندہ نوریہ نے کافی پہلے ہی درود و سلام کے گلدستے شمار کر رکھے تھے، بارگاہ میں نذر پیش کرنے لگی۔

اس راہ پر مسلسل سفر کرنے والے ہمارے عزیز احمد خاں جو ریاض سے مدینہ شریف، مکہ مکرمہ اور دمام مسلسل گاڑی چلاتے ہیں، بذریعہ فون بار بار رہ نمائی کر رہے تھے کہ ہمیں سحری کہاں کرنا ہے اور انڈین مزاج کے مطابق پاکستانی ہوٹل کہاں ملے گا؟ ان کی رہ نمائی کے مطابق شہر اقدس سے 121/کلومیٹر قبل ہم ایک پاکستانی ہوٹل پر رکے، سحری کی اور پھر اپنی رفتار لے لی۔

یہ بھی اتفاق رہا کہ پورے سفر میں کئی چیک پوائنٹس آئے لیکن مدینہ منورہ کے چیک پوائنٹ سمیت، ہمیں کہیں نہیں روکا گیا۔ مدینہ شریف کے چیک پوائنٹ گیٹ کی پشت پر کلمہ طیبہ لکھا دیکھ کر طبیعت ہری ہوگئی۔

ہم نے احساس کیا کہ چیک پوائنٹ کے بعد ایک ایسی ریاست کا آغاز ہوا ہے جہاں ایک خاص کیفیت ہے، اپنائیت کا احساس ہے، ایک قسم کی کشش ہے۔

کچھ دور چلنے کے بعد شہر طیبہ کی نمود شروع ہوئی۔ دیکھیے! وہ دور جو چمکتے دمکتے آثار نظر آرہے ہیں، وہ گھر، وہ لائٹنگ، وہ فضا مدینہ شریف کی ہے۔

ناگہاں ایک خیال گزرا کہ ہم جس شہر میں داخل ہو رہے ہیں، وہاں جنید و بایزید بھی نفس گم کردہ آتے ہیں۔ خبردار! بڑی، بہت بڑی، بہت بڑی بارگاہ ہے، کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے۔ اس کے لیے مناسب سمجھا گیا کہ بہار شریعت کے چھٹے حصے سے مدینہ منورہ کے فضائل و آداب کا درس لے دے دیا جائے اور اسی کے ساتھ ان شانوں کا آغاز ہوا، جو محض کسی اینٹ گارے سے چنے گئے شہر کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

ابھی درس مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے ڈرائیور حسین بھائی نے بتایا ہم مسجد قبا کراس کر رہے ہیں۔ اپنا ناک نقشہ سنبھالا اور ایک انڈر برج سے ہوتے ہوئے ہم شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ دائیں جانب مڑنا چاہتے تھے کہ دور سے مینار چمکتے دکھائی دیے۔ حافظ صاحب نے بتایا وہ مسجد نبوی کے مینار ہیں۔ اس تصدیق کے ساتھ ہی کہ کیا ہم سچ مچ مدینہ منورہ میں داخل ہو چکے ہیں؟ ایک لرزہ سا طاری ہوا اور اگلے کچھ منٹ بعد ہم لوکیشن کے مطابق اپنے تایا زاد بھائی سلمان خان کے روم پر پہنچ چکے تھے۔ یہاں ایک بار پھر ان مینار ہائے نور نے دل کو اپنی طرف کھینچا اور ہم جھک کر مجرمانہ سلامی پیش کرتے ہوئے، فلیٹ کی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ ایک طرف رت جگے کی نہ محسوس ہونے والی تکان تھی، ایک طرف اندر ہی

اندر مجرمانہ احساس کچوکے لگا رہا تھا اور دوسری طرف نازش عرش خسروانہ بارگاہ کے آداب ملحوظ تھے۔ ابھی نماز فجر ہونا باقی تھی لیکن مناسب نہ لگا کہ پہلی حاضری بوجھل دل و دماغ یا تھکے ماندے جسم کے ساتھ دی جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ عصر بعد ٹھنڈے وقت میں مشترکہ حاضری دیتے ہیں، تب تک اللھم باسمك اموت و احیا۔

قسط 9: دنیا کی سب سے بڑی افطار پارٹی نبی کی مسجد میں

مدینہ کی بیداری ہی نہیں، نیند بھی بڑی مزے کی ہے۔ عصر سے پہلے اٹھے، ظہر کی نماز ادا کی اور نہا دھو کر اس دربار میں حاضری کے لیے تیاری ہونے لگی، جس کے لیے شاہی دربار جیسے الفاظ ٹھگنے لگتے ہیں۔ بھائی سلمان نے اپنے گاڑی سے ہمیں حرم نبوی کی بیرونی چوکھٹ پر چھوڑ دیا اور ہم نم دیدہ اور سر خمیدہ آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ اذان عصر کی آواز بلند ہونے لگی۔ کشادہ اور ایڈوانس صحن میں بنے وضو خانے پر ٹائم پاس وضو کیا اور افضلیت میں دنیا کی دوسری لیکن نیک سازی میں پہلی مسجد کے پچھلے حصے میں اپنی نماز سے فراغت پائی۔

ابھی جماعت سے فراغت ہوئی ہی تھی کہ پلاسٹک کے سفرے بچھنے اور ان پر افطار کٹ سجنے لگے۔

نماز کے بعد ہم اس قطار میں لگ گئے، جہاں سے زائرین رسالت اپنے بخت خوابیدہ کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔

گھماؤ دار بیری کیڈس سے خراماں خراماں چلتے ہم ان پاکیزہ جالیوں سے قریب ہو چکے تھے، جن کی عظمتیں بیان کرنے کے لیے انسانی لغت میں کوئی صد فیصد مناسب لفظ نہیں۔ بھیڑ میں گھرے ان دیوانوں پر رشک آتا تھا، جن کی زبانوں پر درود کے نغمے تھے لیکن بھرائی آواز کی وجہ سے الفاظ بھی صحیح ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔ کچھ وہ تھے جن کی ہچکیاں سی بندھ چکی تھیں۔

ایک عاشق زار کے لیے بائیں جانب واقع چند گز میں بنے اس آستانہ کرم کی سرحد پار کرنا، کسی پل صراط کے عبور سے کچھ کم نہیں ہوتا، جس میں سب سے پہلے شہنشاہ رسالت اور ان کے ٹھیک بغل میں قدرے قدموں کی طرف ان کے دونوں وزیر حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق اعظم آرام فرما ہیں۔

کوئی پچیس بائی پچیس کے ہال کی مقدار بھر میں بنے ہوئے اس نازش عظمت آستانے کی جالیاں اتنی باریک بنی گئی ہیں کہ باہر سے اندر کی جھلک بھی نہیں پائی جا سکتی اور عشق و مستی کے لیے یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے، جہاں ارمان تڑپ تڑپ جاتے ہیں۔ کہاں تو یہ جی مچل رہا ہوتا ہے کہ مکین گنبد کی عظمتوں کو سجدہ نیاز پیش کیا جائے اور کہاں یہ ستم کہ مکاں کی قدم بوسی بھی نصیب کم نصیباں نہ ہو۔

اگر کج فہم گورنمنٹ کی طرف سے مسلط کردہ شرک و بدعت کی تہمت لگانے والے مطوعوں کا قہر نہ ہو تو دنیا نظارہ دیکھے کہ محبوبیت کسے کہتے ہیں اور چاہنے والے کیسے ہوتے ہیں۔

حجی، حجی! کہتے یہ حرماں نصیب کوشش کرتے ہیں کہ کوئی فاتحہ نہ پڑھنے پائے، ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کر سکے اور رک کر اپنے دل کو تسلی نہ دے لے۔ اس لیے دنیا بھر سے آئے جگر سوختہ دیوان گان عشق مجبور ہوتے ہیں کہ ایک راستے سے داخل ہوں اور دوسرے راستے سے گزرتے سے گزر جائیں کیوں کہ اسی قدر کی وہاں گنجائش ہوتی ہے اور اسی کا ظالمانہ اہتمام۔

ہم نے دیکھا کہ یہ کچھ بے ریش اور کچھ باریش مطوعے نظریں گاڑھ گاڑھ کر چہرے پہچاننے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں اور جن نورانی چہروں سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ وہ کچھ خاص ہیں، ان پر خاص نظریں رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ قطعًا نہ رکنے پائیں۔ اگر کسی مست نے ہاتھ اٹھا لیے تو واللہ شرک کہہ کر ہاتھ جھاڑ دیتے ہیں۔

سرحد عشق و نور عبور کر لینے کے بعد جہاں تک چل پائیں، الٹے پاؤں چلنے اور حسرت بھری نگاہوں سے مڑ مڑ کر پیچھے دیکھنے کی لذت بھی صرف یہیں محسوس ہوتی ہے۔

چوں کہ اصل روضہ مقدس کی سرحد تو ایک مدہوشی کی سی کیفیت کے ساتھ گزر جاتی ہے، جہاں زیادہ سے زیادہ ہوش رہتا ہے تو تکتے ہوئے صرف یہ پکار پانے کا "الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ" اور بس۔

اس لیے جنھیں خراج عقیدت پیش کرنا ہوتا ہے، وہ کشتگانِ عشق یہ تدبیر نکالتے ہیں کہ خروج کے ٹھیک سامنے ایک بار پھر کچھ گھماؤ دار بیری کیڈس سے گزر کر اس بابرکت احاطے میں جا دھمکتے ہیں، جہاں بیٹھ کر وہ روضہ اقدس کو تکتے ہوئے اپنی تمام حسرتیں پیش کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کوئی بھی دانش ور یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا۔ ہم نے بھی اسی حسرت کدے میں اپنے ارمان نکالے۔

دھکا مکی، گہما گہمی اور خوش اہتمام حکومت کے بداعتقاد نظریات کی ستم ظریفی کے بعد یہاں کی اطمینان بخش حاضری میں جو سکینہ میسر آتا ہے، وہ دنیا اور مافیہا کی ہر دولت سے مہنگا ہے۔

ذکر و فکر اور روضہ انور کی دل بھر زیارت میں انہماک کے دوران ہی ہم نے اپنے بغل میں تشریف فرما تین عمر دراز زائرین کو ہمارے مارواڑ کے پالی شہر کے لہجے میں بات کرتے پایا تو ان سے یہ کہہ کر مخاطب ہوئے: کیا آپ پالی کے رہنے والے ہیں؟ ان کا جواب "نہیں ہم کراچی کے رہنے والے ہیں" سن کر حیرت کی انتہا نہ رہی۔ خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ کراچی میں بھی کوئی مارواڑی بولنے والا ہوگا لیکن انھوں نے یہ بتاتے ہوئے ہماری حیرت کو دوبالا کر دیا کہ ہم پشتینی طور پر جودھ پور کے رہنے والے ہیں اور ہم نے اپنے گھروں میں اس بات کا اہتمام کر رکھا ہے کہ ہم مارواڑی میں ہی بات کرتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے دلچسپ اور یادگار سانحہ تھا۔

ہم نے مدینہ شریف میں یہ دلچسپ تجربہ کیا کہ اس شہر برکت سے دور رہتے ہوئے دل کے اندر جو خاص قسم کا اشتیاق تھا، اب جب کہ ہم قدمان ناز میں نیاز کیش ہیں، اپنے آپ کو اتنا سرمست نہیں پاتے اور شاید یہی وجہ ہے کہ کچھ دیر نیاز پیش کرنے کے بعد ہم نے جہاں ان مارواڑیوں سے بات کی، وہیں کچھ یادگار تصویریں بھی اپنے کیمرے میں قید کر لیں جبکہ دخول مدینہ سے پہلے یہ تصور بھی پریشان کن لگتا تھا: کیا مدینہ جانے کے بعد بھی کوئی تصویر کشی جیسے لایعنی شغل میں مصروف ہوتا ہے! ایسا کیوں؟

ہمیں اپنی اس آپ بیتی سے لاشعور میں پیدا شدہ سوال کا اطمینان بخش جواب ابھی اسی ہفتے عطر و اتہاس کے شہر

قنوج میں بحر العرفان حضرت علامہ مفتی آفاق احمد مجددی علیہ الرحمہ سے روحانی اور صوفیانہ فیض پائے ہوئے ان کے نہایت چہیتے شاگرد، خلیفہ اور معتمد حضرت علامہ مفتی آصف احمد مجددی دام ظلہ کے ذریعے ملا اور بہت خوب ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت بحر العرفان علیہ الرحمہ نے حاضری مدینہ کے وقت اپنے حاضر باشوں سے فرمایا تھا: مدینہ منورہ میں انوار و تجلیات کی اس قدر ہماہمی رہتی ہے کہ عام انسان کو روحانی سکون اور موسلا دھار بارش انوار کی وجہ سے کوئی بہت اسپیشل روحانی تجربہ نہیں ہوتا لیکن خبردار اس کی وجہ سے کبھی غفلت یا بدگمانی کا شکار نہ ہو جانا، یہ در اصل مدینہ منورہ کی امتیازی شان ہے۔

افطار کا وقت قریب تھا اور اسی کے ساتھ دن بھر سائبان رہنے والی آٹومیٹک چھتریاں سمٹنے لگی تھیں، اب کھلے آسمان کے ساتھ گنبد خضریٰ کا جو رنگ تھا، وہ الگ ہی مزہ دیتا تھا۔

نماز عصر کے معابعد اصل مسجد سے شروع ہونے والی افطاری تیاریوں نے اب تک مسجد کے باہر دائیں بائیں آگے پیچھے پورے احاطہ نور کو گھیر لیا تھا۔ ہم نے یہ پایا کہ بنا کسی ہنگامہ خیز گہما گہمی کے ایک ٹیم تھی جو نہایت سلیقے سے سفرے بچھاتی، کوئی پانی کا انتظام کر رہا تھا، انتظامی گاڑیاں رواں دواں تھیں، کٹس کے پیکٹ لائے دیے جا رہے تھے اور مسجد کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے 1994 میں ملک فہد بن عبدالعزیز کے ذریعے کروائی گئی نویں توسیع کے مطابق 6 لاکھ نمازیوں کی گنجائش والی مسجد کے کوئی تین چوتھائی سے زیادہ حصہ صحن میں زمین پر سفرے تھے اور زمین سے اوپر انسانی سر۔

ہم بھی اب اپنی مبارک بیٹھک سے اٹھ کر کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں افطار کی کھجوریں چکھ سکیں۔ حافظ صاحب کا کہنا تھا کہ ہم جس دروازے سے داخل ہوئے تھے، اسی کے آس پاس افطار کریں گے۔ اس مشورے پر عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہم نے آدھی سے زیادہ مسجد منور کا طواف کر لیا۔ اس دوران رضا کارانہ افطار کروانے والے قدم قدم پر اصرار کر رہے تھے کہ ان کے سفرے پر افطار کیا جائے۔ ہم نے حافظ صاحب سے کہا: ابھی افطار کے لیے ہماری ساجت کی جا رہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ انتہائی وقت میں ہمیں ساجت کرنی پڑے۔ اپنے طے شدہ ٹارگیٹ کے قریب جا کر ہم نے افطار کیا، وہیں نماز مغرب ادا کی اور ایک بار کے لیے روم پر چلے گئے لیکن عشا کے بعد پھر ایک تفصیلی حاضری کے لیے حاضر دربار ہوئے۔ اس وقت جے پور کے رہنے والے نوجوان عاشق زار محمد فرمان بھائی کا رقت انگیز میسج ملا۔ وہ یاد مدینہ میں بڑے بے چین تھے اور حاضری کی دعاؤں کے لیے والہانہ عرض گزار بھی۔

الحمدللہ اس دوران کی تمام حاضریوں میں میں نے یہ اہتمام رکھا کہ جو جو احباب خیالات میں گزرتے گئے، یاد آتے رہے یا دعاؤں کے لیے گزارشیں کرتے رہے، سب کے لیے نام بنام اور یاد بیاد دعائیں کی، اس یقین کے ساتھ کہ دعائیں کرنا بھی بجائے خود عبادت ہے اور دوسروں کے لیے دعا کرنے والا کریم کے در سے خود کے لیے خود بخود پاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کل شہر مدینہ کے کچھ اور نظارہ دیکھیں گے۔

قسط 10: نازش جنت شہر مدینہ

مدینہ شریف کی پہلی رات خصوصی حاضری کی نیت سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ دیوانوں کی طرح مسجد کے الگ الگ حصوں میں گھومتے رہنے، جگہ جگہ بیٹھنے، کبھی اٹھنے، کبھی لیٹنے، بنا پیاس کے بھی آب زمزم پینے اور کبھی وضو ہوتے ہوئے بھی وضو کے لیے جانے کا دیوانہ پن بھی الگ ہی قسم کا ہوتا ہے۔

مسلسل جھم جھم برس رہی انوار و تجلیات کی بارشوں میں ایسا سب سے نہیں ہو پاتا کہ دیر تک عبادتیں کریں لیکن یہاں جتنی دیر بھی عبادتیں کرنے کا موقع ملتا ہے، الگ ہی پر لطف عبادتیں ہوتی ہیں۔

سلمان بھائی کی کوشش ہوتی تھی کہ جیسے جیسے انھیں فرصت ملے، وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ گھمائیں اور زیارتیں کروائیں لیکن یہ جیسے ان کے لیے ڈیوٹی ٹائم کی وجہ سے آسان نہ تھا، ویسے ہی پہلی پہلی حاضری میں ہماری غیرت طبیعت بھی اس بات کے لیے کچھ زیادہ تیار نہ تھی کہ دربار اعظم کے علاوہ دوسری زیارتوں میں خاصی دلچسپی دکھائی جائے، شاید اسی لیے گزرتی سی چند حاضریوں کے علاوہ موقع کے باوجود نہ مسجد قبا حاضری دی جا سکی، نہ مسجد قبلتین اور نہ ہی دوسری زیارت گاہیں وزٹ کی جا سکیں۔

سلمان بھائی دوسرے دن ہمیں بوقت عصر سید الشہدا حضرت امیر حمزہ کے مزار مبارک اور مسجد لے گئے۔

مبارک احد کے کوہستانی سلسلے کی جڑ میں واقع حضرت سید الشہدا کا یہ مضبوط اڈہ ایسے لگتا ہے جیسے کسی با حوصلہ امیر نے اعتقادی تزلزل کی دنیا میں مضبوط کیل ٹھونک رکھی ہو۔

یہاں بشمول افضل المقابر جنت البقیع کے قبرستانوں میں نہ اس ہریالی کا تصور ہوتا ہے جو ہمارے یہاں ہوتی ہے اور نہ ہی حکومت کے دست برد سے بچ پائے چند گنے چنے خوش قسمت مزارات پر وہ ظاہری رونقیں جو ہند و پاک میں عام مزارات پر بھی ہوتی ہیں۔

کہاں حضرت سید الشہدا جیسے عظیم المرتبت مقرب بارگاہ رسالت کا مزار عالی اور کہاں وہ ویرانی سی ویرانی جو محض کسی محصور کھیت کھلیان کا تصور پیش کرتی ہے۔

چھوٹے باغیچے بھر کی چہار دیواری میں پتھریلا سپاٹ پڑا ہے جس میں کہیں کہیں ابھرے ہوئے حصوں سے لگتا ہے یہاں کچھ آثار و مزارات ہوں گے لیکن ایسا کوئی امتیاز نہیں، جس سے یہ پتہ چل سکے کہ حضرت سید الشہدا ان ابھرے ہوئے حصوں میں سے کس حصے میں تشریف فرما ہیں۔

چہار دیواری کے ساتھ ہی مزارات پر حاضری کے آداب بتانے والے ہورڈنگس لگے ہوئے ہیں جن میں جنت البقیع میں موجود ہورڈنگس کی طرح یہ نشان دہی کی گئی ہے کہ مزارات کو پوجنا شرک، وہاں ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرنا ناجائز اور مزارات کے ادب کے ناطے الٹے پاؤں پلٹنا بدعت ہے۔

ابھی ہم اس حصار امیر حمزہ میں موجود بے نام ونشان مزارات مبارکہ کی حاضری بجالا رہے تھے کہ مطوعے کی گاڑی آدھمکی اور ہم جیسی برکاتی ٹوپیاں اوڑھے کئی بدعتی زائرین کو ہانکنے اور نصیحتیں دینے لگا۔

حضرت سید الشہدا کا مزار مبارک کوہ احد کی جڑ میں واقع ہے۔ احد کا ایک سلسلہ ہے، جو دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں سلمان بھائی نے اس کی ٹھیک جڑ میں لے جاکر بہت سی باتیں بتائیں اور ڈھیروں یادگاریں دکھائیں۔

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ احد کو بارگاہ رسالت میں خاص قسم کا تقرب حاصل تھا۔ اکیلا پہاڑ ہے جسے حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے درجہ محبوبیت سے نوازا ہے۔

رات کی تاریکی میں جب جڑ میں موجود لائٹنگ سے اس پر روشنی پڑتی ہے اور پہاڑ کی لمبائی میں لکھا ہوا کلمہ طیبہ دور سے چمکتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے زندگی کی قیمت وصول ہوگئی۔

خیال رہے شہر مدینہ ایسا شہر ہے جو چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ ایک کوہستانی تسلسل ہے اور شہر کی دیدہ زیبی ہے۔

جتنی گراں قیمت رونقیں کسی شہر کے کوچہ وبازار میں ہوتی ہیں، اتنی تو مدینے کے اس کوہستانی تسلسل میں فطرتاً موجود ہیں۔ ایک رات ہمارے دوست حضرت مولانا محمود مدنی صاحب جو مدینہ منورہ میں ملازمت کرتے ہیں، ان کی رفاقت میں خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی کا وہ بیر رومہ اور باغ دیکھنے کا بھی موقع ملا، جن کی اپنی شانیں اور اپنی مستقل تاریخیں ہیں۔

اسی رات گزرتے ہوئے سر راہ مدینہ منورہ میں واقع جامعہ اسلامیہ المعروف مدینہ یونیورسٹی دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ یونیورسٹی اپنی ساخت میں جتنی خوب صورت ہے، زمینی طور پر اتنی ہی پھیلی ہوئی ہے البتہ اس دانش گاہ سے یہ چوک رہی کہ اس نے اپنی عالمی شناخت سلفی آئیڈیالوجی کی بنائی ہے جو بہر صورت بدلی جانی چاہیے اور ظاہر ہے یہ توسع کے بنا ممکن نہیں۔ جامعہ اسلامیہ سے ٹھیک متّصل جامعہ طیبہ ہے جو گرلس یونیورسٹی ہے۔ مدینہ منورہ کی علمی رونقیں ان دونوں جامعات سے وابستہ ہیں۔

جامعہ اسلامیہ کی من جملہ سہولیات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہاں کے طلبہ کا ایک خاص وقت جو کئی گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے، مسجد نبوی میں گزرتا ہے اور اس کے لیے طلبہ کی آمد و رفت کے اوقات میں حرم نبوی کے گیٹ پر جامعہ اسلامیہ کی لو فلور بسیں تیار ملتی ہیں۔

بتاتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کے دروس میں خاصی تعداد جامعہ اسلامیہ کے طلبہ کی ہوتی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین مدینہ شریف کے تپتے دنوں کے بعد ٹھنڈی راتوں میں قدرے غنیمت حاضریاں نصیب ہوئیں۔ عام طور پر ہندو پاک کے متصلب اہل سنت کا معمول یہاں دن کی بجائے نور و نکہت کی اطمینان بخش راتیں گزارنا ہوتا ہے۔

سلمان بھائی کا فلیٹ حرم نبوی سے کوئی تین کلو میٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہ نوبت نہ آئی کہ پیدل آنا جانا پڑے۔ ہاں! دوسری حاضری میں ایک مرتبہ سلمان بھائی کو بتائے بنا پیدل جانے کا موقع ملا۔

حرم سے فلیٹ پر جاتے ہوئے تھوڑی دوری پر ترکی عہد کا ریلوے اسٹیشن، مسجد اور ریلوے ٹریک واقع ہوتے ہیں جنھیں قدآدم دیواروں سے گھیرا گیا ہے۔ ان آثار کو دیکھ کر ایسا نہیں لگتا جیسے ان پر سو سال کا زمانہ بیت چکا ہو۔

قسط 11: مکہ یعنی امن واحترام اور نیکیوں کا شہر

5/اپریل 2022 کو دوپہر 2 بجے ہم نے سلمان بھائی کے فلیٹ پر دور سے حرم نبوی کے بلند میناروں کو وداعی سلام پیش کیا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مسجد میقات پہنچ گئے، جہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر ہمیں مکہ مکرمہ میں واقع دنیا کے پہلے گھر کی زیارت کے لیے جانا تھا۔ کالے غلاف میں لپٹا اینٹ گارے سے بنا وہ پہلا گھر جس کی عظمتوں کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، جس کا دیوانہ وار طواف کیا جاتا ہے، جو پوری کائنات کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے، جس کے دیدار سے آنکھیں نہیں بھرتیں، جو گناہوں کو جذب کرتا ہے اور جو نیکیوں کو لاکھ گنا بڑھا دیتا ہے۔

وہ چوکور گھر جو پوری کائنات کا ڈائریکشن طے کرتا ہے۔ وہ نشان احترام کعبہ جس کے منفرد احترام کی وجہ سے پورا خطہ حرم بنا ہوا ہے۔ مصیبتوں کی استعارہ دنیا میں وہ نایاب منطقہ جہاں حشرات وحیوانات ہی نہیں جمادات کو بھی امن کی ضمانت دی جاتی ہے۔ ایسا محترم خانہ خدا جس کے حضور حاضر ہونے سے پہلے اسپیشل ڈریس پہننا ہوتا ہے، دیوانہ وار اس کے گرد چکر لگانے ہوتے ہیں اور جس کی حاضری کے بعد سر کے بال بھی مقدس ہو جاتے ہیں۔

ہمارا 3 نفری قافلہ احرام باندھنے کی نیت سے مدینہ منورہ کی سرحد پر جانب مکہ واقع ذوالحلیفہ کی مسجد میقات میں حاضر ہوا، تب تک سلمان بھائی بھی اپنی گاڑی سے ہماری رہ نمائی کرنے کے لیے آ چکے تھے۔ دنیا بھر کے دور و نزدیک علاقوں میں جہاں تہاں رہنے والے پاپیادہ اور اپنی اپنی سواریوں کے ذریعے حاضر ہوئے معتمرین مدینہ منورہ میں اپنی قسمتیں چمکانے کے بعد یہیں سے احرام کی چادریں لپیٹتے ہیں اور اپنی خوش نصیبی پر مہر لگوانے کے لیے خانہ خدا بیت اللہ الحرام کعبہ معظمہ کے دیدار کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں۔

عربی مزاج کے مطابق نہایت وسیع مسجد اور اس سے متصل خاصی تعداد میں حمام بنے ہوئے ہیں، جہاں معتمرین اپنی سہولت کے مطابق آلودہ کپڑے اتارتے اور کفن سی دو محترم سفید چادریں لپیٹتے ہیں۔

ہم نے یہیں ایک خوب رو نوجوان سے احرام کے پٹہ بیگ اور چادریں خریدیں، جس سے یہ سن کر لگاؤ بڑھ گیا کہ وہ برما کا رہنے والا ہے۔

احرام پہن کر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی اور پھر اس سفر کے لیے روانہ ہو گئے، جس کے لیے مدت سے خواہشیں مچل مچل رہی تھیں۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی سرحد تک کا حوصلہ افزا سفر ایسے طے ہو رہا تھا جیسے کسی نشیبی علاقے کی طرف ڈھلان کا سفر ہو۔ سرپٹ دوڑتی گاڑی کے سر پر جب بھی کوئی مسافت بتانے والا بورڈ گزرتا، اشتیاق بڑھ جاتا۔ حافظ صاحب کا کہنا تھا مدینہ شریف جاتے ہوئے تو مدینے کی تعریف میں موجود ڈھیروں نعتیں سنی گئیں، اب مکہ مکرمہ کی ستائش کے لیے کون سا کلام سنا جائے گا؟ اس چیلنج کو کعبے کی رونق کعبے کا منظر اللہ اکبر اللہ اکبر اور حسرت پکارتی ہے کعبہ دکھا دے مولا جیسے کلاموں

کی شکل میں قبول کیا گیا۔

اس راستے میں جو سب سے زیادہ حیران کن بات تھی، وہ کوہستانی تسلسل تھا۔ ایک کے بعد ایک چھوٹے بڑے پہاڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، جس میں بلا مبالغہ کئی سو پہاڑ آتے ہوں گے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ کوہستانی تسلسل بابت یہ علاقہ نہایت ممتاز ہے بالکل ویسے ہی جیسے کسی زرخیز زمین پر کاشت ہوتی ہے، انڈسٹریل ایریا میں انڈسٹریز ہوتی ہیں، معدنیاتی زمینوں میں قدرتی خزانے ہوتے ہیں اور اور ریگستانی علاقوں میں سپاٹ چٹیل میدان ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچنے پر ہمیں کچھ پہاڑ ایسے بھی نظر آئے جن پر گویا کوئلے کی چادریں تنی ہوئی تھیں، اتنی خوب صورت چادریں جیسے کسی نے چھوٹے چھوٹے چیک دار ٹکڑے سجا رکھے ہوں۔ انھیں دیکھ کر ہر کسی کو یہ گمان گزرے گا کہ یہ کوئلے کی کانیں ہیں لیکن سچ میں ایسا نہیں، وہ محض کالے چمکیلے پتھر ہیں۔

وہ علاقہ پار کرنے کے بعد، جہاں سے غیر مسلموں کے انٹری بند ہے، ایک چیک پوسٹ آیا جس پر کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد فائنل چیک پوسٹ آیا، جس نے ہماری کار کو سائڈ لائن کر کے ایک طرف جانے کا اشارہ کیا، ہم سمجھ رہے تھے ہمیں کسی خاص قسم کی چیکنگ کے مرحلے سے گزرنا ہو گا لیکن دراصل جہاں ہم پہنچے تھے، وہاں چیکنگ نہیں، بیرونی گاڑیوں کے لیے مکہ کی آخری سرحد تھی۔ اپنی گاڑیوں سے عمرہ کرنے کے لیے آنے والوں کو یہیں گاڑیاں پارک کرنی ہوتی ہیں، یہاں سے آگے کا سفر بس کے ذریعے طے کروایا جاتا ہے۔

ہمارے ڈرائیور محمد حسین خاں یہاں کی پولیس سے کچھ زیادہ ہی مرعوب تھے جبکہ بہت حد تک مرعوبیت بنتی بھی ہے کیوں کہ یہاں کی پولیس اپنے پیشے کے تئیں نہایت ایمان دار ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کے سامنے نہ کٹ حجتی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی رشوت کا گمان پالا جا سکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک عام سے ٹھلے کی بھی تقریباً وہی حیثیت ہوا کرتی ہے جو ہمارے یہاں محترم ایس پی صاحب کی ہوتی ہے۔

پولیس کے ایک اشارے پر ڈرائیور صاحب بنا کوئی سوال کیے ہمیں ادھر لے گئے، جس سائڈ لائن کا اشارہ تھا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا پارکنگ نہیں گویا قطار در قطار دور تک گاڑیوں کی دنیا آباد ہے۔

ہمیں چیک پوسٹ کے مرحلوں میں ہی کہیں افطار کا وقت آ لیا تھا۔ پارکنگ میں پہنچ کر سب سے پہلے برگر سے افطار کیا گیا اور یوں مکہ معظمہ کی پہلی افطاری دوڑتے بھاگتے ہوئی۔ وہیں پارکنگ ایریا کی مسجد میں نماز مغرب پڑھی اور پھر بنا کسی اضافی ساز و سامان کے بس کے ذریعے حرم شریف میں پہنچے۔

حرم شریف میں داخلے سے پہلے ہی اذان عشا ہو چکی تھی، نیچے کم گنجائش دیکھ کر ہم نے بالائی حصے پر بنا تاخیر طواف شروع کر دیا اور اسی دوران جماعت کھڑی ہو گئی تو نخواہی طواف روک کر واجب الاعادہ نماز پڑھی گئی اور ختم جماعت کے ساتھ ہی باقی پھیرے پورے کیے گئے۔

کچھ دیر بعد تراویح کی جماعت کھڑی ہو گئی لیکن چوں کہ اسی سال بنا کسی حیل و حجت کے محض شاہی فرمان کی وجہ سے

اچانک بیس رکعت سے دس رکعت ہو چکی تراویح میں وہ بھیڑ نہ تھی جو جماعت میں تھی، اس لیے اگلے تین یا چار پھیروں کے لیے ہمیں کعبہ معظمہ کے بالکل قریب جگہ مل گئی، اتنی قریب کہ محض کوئی دو ہاتھ بھر زنجیر حصار کا فاصلہ تھا۔

میں نے طواف کے دوران اس بات کو عملاً محسوس کیا کہ دنیا کی مرکزیت و جہت کعبہ معظمہ سے وابستہ ہے۔ ظاہر ہے طواف کرنے والا طے شدہ جہات میں سے کسی ایک جہت کی طرف چل رہا ہوتا ہے لیکن اسے ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی ایک ہی جہت کی طرف چلتا چلا جا رہا ہے یعنی یہاں آکر صرف کعبہ معظمہ ہی جہت بن جاتا ہے اور پہلے سے طے شدہ جہات مشرق و مغرب اور شمال و جنوب اپنا اثر کھو دیتی ہیں۔

طواف کے دوران ہم نے دیکھا کہ مقام ابراہیم کے پاس کھڑا مطوعہ وہاں اس بات کا اہتمام کر رہا تھا کہ کوئی اس کو بوسہ نہ دینے پائے جبکہ وہاں پر یہ نصیحت بھی لکھی ہوئی تھی کہ مقام ابراہیم کو بوسہ دینا شرک ہے۔ ہمیں اس عقل کی طرح اس جسم پر بھی ترس آ رہا تھا، جو بے چارہ بھیڑ کے دھکے کھانے کے لیے تیار تھا لیکن اس کا جذبہ توحید تمام طرح کی تکلیفیں برداشت کر کے بھی لوگوں کو شرک سے روک رہا تھا۔

طواف کے بعد سعی اور اس کے بعد حلق کروانے تک رات کا پہلا تہائی حصہ ختم ہونے لگا تھا۔ ہمارے حافظ صاحب کو دمام سے ہی شورمے کا بڑا چسکا لگا ہوا تھا، بھوک بھی اس بات کے لیے بے چین تھی کہ اس کی شدت کم کی جائے، سو ایسا ہی کیا گیا۔

حلق سے فراغت کے بعد ابھی شورما تناول کیا جا رہا تھا کہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں ہمارے میزبان شہادت خان آ پہنچے۔ شہادت خان ایک مدت سے یہیں مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں اور اپنا آزادانہ کام کرتے ہیں۔ حرم سے محض ایک برج کے فاصلے پر بن لادن مسجد کے کمروں میں ان کی رہائش ہے۔ اس رہائش کی سب سے بڑی خوبی ہمیں یہ بھائی کہ حرم یہاں سے محض برج کے ایک حصے کی چڑھائی اور دوسرے کی ڈھلان پر واقع ہے، جب جی چاہا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔

شہادت خان کے روم پر پہنچنے کے بعد ایک ہی کام کیا جا سکتا تھا اور وہ تھا بستر پر دراز ہونا۔

مکہ مکرمہ کے دوسرے دن ہم نے غار حرا کی زیارت کی، منیٰ اور عرفات کے خیمے دیکھے گئے، زمزم نوش کیا گیا، حرم شریف کی اسپیشل حاضریاں بجائی گئیں، مسجد عائشہ، شہر کی زیارت، دعائیں اور اپنوں سے ملاقاتیں۔

بیکانیر سے سید ممتاز صاحب اور یوٹیوبر رمضان بھائی وغیرہ کی ہماری شناسائی والی پوری ٹیم عمرہ کے لیے حاضر تھی لیکن قسمت کہ اس قربت کے باوجود زمین عرفات پر ہماری ملاقاتیں مقدر نہ تھیں، کئی بار وقت ملا کر بھی نہ مل سکے۔

قسط:12 کاش! ہمارے پاس کئی بشارت صدیقی ہوتے

7/اپریل جمعرات کو ہم قبل افطار مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچے اور 10/اپریل تک یہیں قیام رہا۔ کرم فرما خلیل خان نے ہمارے انتظام میں تمام شیرانی بھائیوں کی افطار پارٹی رکھی تھی، جس کی بدولت ہماری تمام بھائیوں سے یکجا ملاقات ہوگئی۔
ہم نے یہ پایا کہ خلیل خان عرف کے کے صاحب کا یہاں مقیم ہمارے بھائیوں پر قائدانہ سا اثر ہے۔ سب کو محبت کے ساتھ مربوط رکھنا، سب کا خیال رکھنا، سب سے یاری دوستی نبھانا اور پردیس میں اپنائیت کا احساس دلانا جسیم بدن کے باوجود متحرک کردار والے اس انسانیت دوست کی پہچان تھی۔
جدہ کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ ہمارے حاجیوں کی جائے نزول بھی ہے اور مکہ مکرمہ کا ایرپورٹ بھی۔ ہاں یہ بتایا جانا چاہیے کہ جس طرح جدہ میں حاجیوں کے قافلے اترتے ہیں، اسی طرح وہاں تاجروں کا بھی ورود ہوتا ہے۔ پرانے انداز کا نیا شہر جو جدید اور قدیم دونوں رنگتوں کا بھرپور مزہ دے۔
کے کے صاحب کے جسم کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ متحرک کردار کے حامل ہوں گے لیکن جب اٹھاؤ، بھرپور جوش کے ساتھ اٹھتے ہیں اور جتنا کوئی نحیف بدن نہیں چل پاتا، اس سے زیادہ ایکٹیو ہو کر چلتے ہیں، نہ خود تھکتے ہیں، نہ اپنے ساتھیوں کو تھکنے دیتے ہیں۔
ہمیں اپنی پوری ٹیم کے ساتھ بن لادن کیمپ لے گئے، جہاں ہمارے کئی عزیز رہتے ہیں۔ یہ کیمپ کیا ہے؟ عام طور پر عرب بھر میں پائی جانے والی پردیسیوں کی نئی بستی ہے۔ دو دو تین تین منزلہ عارضی رہائش گاہیں جو فائبر کے چھپروں سے بنائی گئی ہیں، سستے داموں میں ایک مدت تک کام نکال دیتی ہیں اور پھر بھی نقل وحمل کی پوری گنجائش رہتی ہے۔
شہر کا چکر لگاتے ہوئے ہمارا گزر شاہی ایئرپورٹ سے بھی ہوا۔ ہمیں پتہ چلا کہ ایسے ایئرپورٹ ہر بڑے شہر میں بنائے گئے ہیں، جن کا واحد استعمال کبھی کبھی اس شہر میں بادشاہ سلامت کا نزول اجلال ہوتا ہے۔
جدہ کا ٹھیک ٹھاک حصہ سمندر کو ٹچ کرتا ہے۔ یہیں کنارے پر بادشاہ کا شاہی محل بنا ہوا ہے، جس پر تبصرے کی ضرورت نہیں۔ محل سے متّصل سمندر کے اندر فوارہ نما پانی کا مینار سا بنایا گیا ہے، جس پر مسلسل مینار کی طرح پانی چڑھتا اور اترتا رہتا ہے۔ اس مینار آب کو ہم نے رات میں بہت دور سے چمکتا دیکھا، اگر کے کے صاحب نے اس کی درج بالا تفصیل نہ بتائی ہوتی تو ہمیں بھی بنا قریب گئے محض ایک خوب صورت روشنی کا گمان رہتا۔
سمندر کے کنارے پر ایک نہایت خوب صورت ہوٹل بنایا گیا ہے، جس کے نیچے سمندر کا پانی گزرتا ہے اور جنت تجری تحتھا الانھار کا نقشہ پیش کرتا ہے۔
حکومت عرب جدہ شہر کی غیر معمولی توسیع اور تحسین چاہتی ہے، جس کے لیے ایک بڑے جگر گردے والا کام یہ کیا گیا ہے کہ قدیم شہر کی گھنی آبادی والے اندرونی حصے کے کئی کلومیٹر ایریا کو ملبے میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس پروجیکٹ کو

جدہ پروجیکٹ کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کی مکمل شکل تو آنے والا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، البتہ ہم نے جو ملبہ دیکھا تو سریوں کے انبار سے ایسا لگا جیسے کھیتوں میں درختوں کی چھنگائی کے بعد لکڑیوں کے بڑے بڑے ڈھیر پڑے ہیں۔ کہیں دور تک صاف سپاٹ میدان پڑا ہے، کسی کونے پر سریوں کے آڑے ترچھے ڈھیر ہیں اور کہیں اینٹ گارے کا ٹوٹا بکھرا چورن ہے۔ اس توڑے ہوئے حصے کے علاوہ اطراف و جوانب کا خاصا علاقہ تھا، جس کی شکست و ریخت ابھی باقی ہے، بجلی کنکشن کاٹ دیے گئے ہیں اور ایک ویرانی سی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ ہم نے ان اندھیری کالونیوں کو غور سے دیکھا تو ترس آنے لگا۔ کچھ بلڈنگیں ایسی تھیں، جن کی تازگی دور سے صاف ہویدا تھی۔

میلوں کو محیط اس پرانے شہر کو ایک فیصلے پر یوں اتھل پتھل کر دینے کی ہمت عرب حکمرانوں کی ہی ہو سکتی ہے اور اس کے لیے سچ مچ بڑا کلیجہ چاہیے۔

جدہ میں گھومتے ہوئے، ہمارا گزر ایک مسجد سے متّصل اس قتل گاہ سے بھی ہوا، جہاں غیرت مند عرب میں قتل کی سزا کے لائق لوگوں کو جلادوں کے ہاتھوں برسربازار ان کے آخری بھیانک انجام تک پہنچایا جاتا تھا۔

اس سے کچھ آگے چل کر ہم نے وہ مقفل احاطہ بھی دیکھا جو دنیا کی پہلی خاتون اور ہم سب کی ماں حضرت سیدہ حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آخری آرام گاہ ہے۔ مقفل ہونے کی وجہ سے پس دیوار سے ہی فاتحہ پڑھنا مجبوری رہی۔

جدہ کا انڈسٹریل ایریا خاصا پھیلاؤ رکھتا ہے جبکہ جدہ کا عمومی رنگ شہر بمبئی کی طرح ہے، گھنی آبادی اور ایک حد تک آج کے عرب کی بو نہ دینے والا پرانے طرز کا پرانا سا شہر۔

جدہ میں ہمارے لیے سب سے زیادہ خوش گوار لمحہ وہ تھا جب ہماری ملاقات بشارت بھائی صدیقی اشرفی حیدرآبادی سے ان کے فلیٹ پر ہوئی۔ عرب میں ورود کے ساتھ ہی ہم دونوں وہاٹس ایپ کے ذریعے رابطے میں تھے اور ملاقات پلان کر رہے تھے، جو آخر ایک شام کی علمی افطاری پر مکمل ہوئی۔

بشارت بھائی سے کوئی سات سالوں سے رابطہ ہے، جب ماہ نامہ احساس کا دور تھا اور جامعہ اشرفیہ کے شعبہ تربیت تدریس سے وابستگی۔ بشارت بھائی کے مطابق ان کے لیے ہمارے تعارف کا ذریعہ رسالے کی ندرت اور ہندی زبان رہی۔ ان کا ماننا ہے کہ ہندی زبان میں اسلامیات پر خاصا کام ہونا چاہیے، جو نہیں ہو سکا، آپ نے ماہ نامہ احساس کے ذریعے اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی اور اس پر رسالہ کا معیار سہاگہ۔

بشارت بھائی کے احساس کو سلام کرنے کو جی چاہتا تھا، جو گفتگو گفتگو میں حافظ اشرف اور خلیل خان صاحبان کے سامنے ہماری فکر کو لفظوں کا پیرہن دیتے جا رہے تھے۔

اس نیت سے کہ ممکن ہے ہم خیال احباب مل جائیں مناسب لگتا ہے کہ ہم یہاں اپنی فکر روئیں۔ ہندی وہ بھارتی زبان ہے جو مہاراشٹر، گجرات، اترپردیش، بہار، جھارکھنڈ، راجستھان، اڑیسہ، دہلی، پنجاب، ہریانہ ہماچل پردیش، اترا کھنڈ، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ وغیرہ کوئی آدھم آدھ بھارت کی ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ناحیہ سے کہ گجرات اور

مہاراشٹر وغیرہ جہاں وہاں کی علاقائی زبان ہی بول چال اور تعلیم کی زبان ہے، وہاں بھی ہندی کو سمجھا جاتا ہے۔ ایسے میں ایک ایسی زبان جو ملک کی اتنی بڑی آبادی کی دعوتی ترجمان ہو، کیا اس میں اسلامیات پر خاطر خواہ ذخیرہ نہیں ہونا چاہیے؟

شاید حساس قارئین کو یہ سن کر دھچکا لگے کہ عام اسلامی لٹریچر اور کتب حدیث وفقہ کو چھوڑیے صرف ترجمے کی حد تک دیکھا جائے تب بھی کلام الٰہی قرآن مجید کا بھی جماعتی سطح پر کلام الرحمن نامی صرف ایک ترجمہ ہے، جو آل رسول حضرت سید حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ نے کیا اور بس۔ جبکہ اس علمی پروجیکٹ کا قابل غور پہلو یہ ہے کہ چوں کہ ہندی لے دے کر بھارت کے انھی علاقوں کی زبان ہے اس لیے اس میں اسلامیات پر جو کام ہو سکتا ہے، بہر صورت اسی علاقے میں ہو سکتا ہے، کیوں کہ نہ یہ انگریزی کی طرح عالمی زبان ہے کہ اسلامی جگت میں کہیں بھی کام ہونے کی گنجائش ہو اور نہ اردو کی ہی طرح قدرے وسیع کہ پاکستان جیسے ملکوں میں بھی کام ہو سکے۔

الحمدللہ رب العالمین ادارہ قرآن کے پاس ہندی میں اسلامیات پر لمبے چوڑے کام کا پروجیکٹ تیار ہے، خواہش مند/دردمند/ضرورت مند/حوصلہ مند/رضاکار رابطہ کر سکتے ہیں۔

افطار سے قبل افطار کی پر تکلف تیاریوں کے ساتھ شدہ شدہ رسمی گفتگو ہوتی رہی اور بعد افطار وہ مستقل علمی بزم سجی کہ یاد رہے گی۔

بشارت بھائی نہ باضابطہ روایتی عالم دین ہیں اور نہ مدرسوں میں دو دن گزارے لیکن بفضلہ تعالیٰ وہ گہرا علمی ذوق، شوق، لگن، مطالعہ اور فکر پائی ہے کہ دوران گفتگو خاصے پڑھے لکھوں کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیں بالکل ٹھیک اس فقہی قضیے کا مجسم جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں لکھا ہے:

سند کوئی چیز نہیں، بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنھوں نے سند نہ لی، ان کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی، علم ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ مفتیان کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس وتدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمت علمائے کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیق مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا، فقیر نے دیکھا ہے کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں بلکہ مدرسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 23)

خود نے اپنے احوال ذکر کرتے ہوئے بتایا: جب میں انٹر میں تھا، تبھی میرے کتابی شوق کا حال یہ تھا کہ اپنی پاکٹ منی سے کتابیں چھاپتا تھا۔

بشارت بھائی کے مرشد طریقت اور میرے مرشد اجازت حضرت شیخ الاسلام سید مدنی میاں صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں: بشارت جناتی آدمی ہے جانے کہاں سے نسخے تلاش کر نکالتا ہے، کن کن سے کام کروالیتا ہے اور کیسا کیسا سخت ترین کام بھی کر گزرتا ہے۔ اگر ہم بشارت کو جنات نہ بھی کہیں تو ان جناتی خوبیوں کو ان کے اندر ضرور مانتے ہیں۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کے ان علمی کاموں میں خوب برکتیں ارزاں فرمائی ہیں۔ جیسے ان کی بلند فکری اور اخلاص ہے

کہ وہ پرانے اور نام دار ارباب قلم سے زیادہ نئی علمی صلاحیتوں کو میدان فراہم کرنے کا مزاج رکھتے ہیں اور انھیں غیر شعوری تربیت دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ان علمی کاموں کے پیچھے تقریبًا نوجوان نسل ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے تعلقات میں بھی غیر معمولی برکتیں عطا فرمائی ہیں۔ ہندو پاک کا شاید ہی کوئی مشہور قلمی چہرہ ایسا ہوگا، جو ان کے نام و کام سے براہ راست متعارف، متاثر اور وابستہ نہ ہو اور عاجزی یہ ہے کہ ان تعلقات کو نبھانے کی پہل بشارت بھائی کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی دنیا کے عالمی اکیڈمک ارباب علم و قلم سے گہرے مراسم ان اردو تعلقات پر مستزاد۔

بشارت بھائی کی وہ خوبی جو ان اشاعتی کاموں میں انھیں سب سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ وہ یہ پورا کام اپنے ذاتی پیسوں سے کرتے ہیں اور اپنی جاب کے بعد باقی اوقات اسی میں لگے رہتے ہیں۔

سن 2007 میں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر انگریزی میں دار الاسلام فاؤنڈیشن کے تحت بشارت بھائی کی پہلی کتاب شائع ہوئی اور 2010 میں ادارہ اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن قائم ہوا، جس کے تحت اردو کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ اس وقت سے جو پاکیزہ سلسلہ چلا، اس کے تحت اب تک ان کی کوششوں سے 100/ سے زائد اسلاف کرام کی کتابوں اور رسالوں کے عربی سے اردو میں ترجمے کیے جا چکے ہیں۔ ان کی تحریک پر 40/ سے زائد نئی اربعینات تیار کی جا چکی ہیں اور 20/ سے زیادہ اربعینات کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ 100/ سے زیادہ اردو اور 20/ سے زیادہ انگریزی کتابیں اور رسالے شائع کر چکے ہیں جبکہ انگریزی میں جن کتب و رسائل کا ترجمہ ہوا ہے، ان کی تعداد بھی 100/ سے زائد ہے، جن میں مسند امام اعظم ابو حنیفہ سب سے اہم قرار دی جا سکتی ہے۔

پہلے سر کھپا کے اپنے ذاتی ذوق سے یہ تلاش کرنا کہ کس موضوع پر کام کروایا جانا چاہیے؟ یا کس کتاب کا ترجمہ کیا جانا چاہیے؟ یا ترجمہ ہونا ہے تو اردو میں ہونا چاہیے یا انگریزی میں؟ کتاب لکھی جانی چاہیے تو کس نوعیت کی؟ موضوع کے انتخاب کے بعد اس کی مکمل خاکہ نگاری، اس کے بعد اس کے لیے مناسب فرد کا تعین، اس تعین کے بعد منتخب فرد کی مکمل علمی اور قلمی معاونت، کام کی تکمیل کے بعد حسب ضرورت کتاب کی ٹائپنگ اور مکمل پروف ریڈنگ۔ 380/ کتابوں کی تحریک/ تالیف/ تخریج/ تجدید/ تحقیق/ ترجمہ/ تحشیہ وغیرہ کے یہ چار سطروں میں ذکر کردہ 35/ سالہ حیدر آبادی نوجوان بشارت صدیقی کے وہ جاں کاہ کام ہیں، جو پچھلے 15/ سالوں سے تقریبًا بنا تکان جاری ہیں اور جن کاموں کے کے تسلسل کا ایک بڑا حصہ ہنوز عزم و راز ہے۔

ان تفصیلات سے اہل علم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ سچ مچ بشارت بھائی کے کام جناتی ہیں۔ جن کاموں کے لیے کبھی کبھار زندگیاں ناکافی ہوتی ہیں، وہ یہ کر چکے ہیں یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک بڑے ادارے کے کام بشارت بھائی کا اخلاص تن تنہا کر رہا ہے۔

بشارت بھائی نے پہلے سے ملاقات کے لیے کتابیں سجا رکھی تھیں، افطار کے بعد ان کا ڈھیر لے آئے۔ اتنی گنجائش

نہ تھی کہ کسی ایک کتاب کا بھی تفصیل سے مطالعہ کیا جا سکے، اس لیے سرورق دیکھتے اور ایک کتاب کی تین چار جگہوں سے ورق گردانی کرتے ہوئے بھی جب عشا کا وقت ہو چلا تو مجبوری تھی کہ اپنے رفقا کا خیال رکھتے ہوئے چلا جائے اور بشارت بھائی کو الوداعی سلام کیا جائے۔

اس بات کا افسوس رہے گا کہ دونوں کی شدید خواہشوں کے باوجود اس شہر میں دوبارہ ملاقات نہ ہو سکی البتہ بشارت بھائی سے سنجیدہ اور علمی ملاقات کا اختتامیہ ہمارے کے کے صاحب کے اس غائبانہ جملے پر کتنا دل چسپ ہوا، کے کے صاحب جب سگریٹ پی پلا کر اور انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو سیڑھیوں سے اترنے کے بعد حافظ صاحب سے مارواڑی میں کہنے لگے: ”اے مولصاب گیلا (پاگل) ہے، کتاباں لکھن میں ہی آپ کی (اپنی) زندگی برباد کر دی۔“

حافظ صاحب نے جب ہم سے خلیل خان کا یہ تاثر بیان کیا تو تمام سنجیدگی بھول کر بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی اور آج بھی جب یہ جملہ حاشیہ خیال میں گزرتا ہے، ویسے ہی لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے، جیسے ابھی آپ مسکرا رہے ہیں۔

قسط 13: جانا تھا قطر، دوبئ پہنچ گئے

پچھلی بار کورونا کی پہلی لہر سے ٹھیک پہلے ہم نے دوبئ کا سفر کیا تھا اور اب کی بار سعودی عرب کے بعد دوبئ کی بجائے قطر کو ترجیح دینا چاہ رہے تھے لیکن مرضی مولی کہ قطر کے ویزے کا پروسیس کچھ ایسا گنجلک ثابت ہوا کہ جس قافلے کو قطر جانا تھا وہ نخواہی پہلے دوبئ پہنچ گیا اور وہ بھی ریاض و دمام کی دوبارہ سیر کرتے ہوئے۔

ہوا یوں کہ سعودی عرب اور قطر کے تعلقات کی کشیدگیوں کی وجہ سے یہاں سے قطر کا آن ارائیول ویزہ کیسے لگے گا؟ کیا کچھ فارملیٹیز ہوں گی اور کورونا کے بعد کی کیا گائڈلائن ہے؟ اس بابت کوئی بھی ٹھیک اور اطمینان بخش معلومات نہیں دے پا رہا تھا جب کہ وہاں کی ویب سائٹ پر بھی آئے دن جو معلومات اپڈیٹ ہو رہی تھیں، وہ تردد میں ڈالنے والی تھیں۔ ہمارے دوست اور کرم فرما حافظ احمد علی صاحب مسلسل کوشش میں تھے کہ جلد سے جلد یہ کام تکمیل آشنا ہو جائے اور وہ ہماری ضیافت کریں لیکن سب کی مشترکہ کوششوں اور خواہشوں کے باوجود اس کو انجام تک پہنچتے ہوئے کوئی پانچ دن کا اضافی وقت لگ گیا اور آخر 15/اپریل کی شام کو اچانک ہم نے دمام سے دوبئ کی فلائٹ لے لی۔

10/اپریل کو 10/بجے شب ہم جدہ سے طائف ہوتے ہوئے ریاض روانہ ہوئے اور جدہ کی سرحد پر وسیع علاقے کو محیط حافظ صاحب کے دوست مراد خان قائم خانی کے سفاری کیمپ میں موجود بقالے پر چائے پی کر طائف کی گھاٹیوں پر چڑھنے لگے۔ طائف کی پر پیچ گھاٹیاں جتنی تاریخی ہیں، اتنی ہی ہری بھری بھی ہیں۔ دل تھام کر جب چوٹی پر پہنچو تو گرمی میں بھی جسم سردی سی ٹھٹھرن محسوس کرتا ہے۔

رات کے دوسرے پہر جب تک یہاں پہنچے، سر شام کی افطار کے لیے افطار کا وقت ہو چکا تھا، سر راہ واقع ایک ہوٹل میں مندی کھائی گئی اور اسی کو سحری کا درجہ دے کر سرپٹ دوڑنے لگے۔ ریاض تا ریاض یعنی حرمین شریفین اور جدہ کے اس سفر میں کوئی ہفتے بھر سے ہماری ڈرائیورنگ خدمت پر مامور حسین بھائی کو ریاض سے گہرا لگاؤ ہے، انھیں کہیں سے بھی ریاض کا سفر ایسا لگتا ہے جیسے وہ گھر کی طرف بڑھ رہے ہوں، اس لیے ان کی اس ڈرائیورنگ کا رنگ جوشیلا تھا۔

طائف سے نکلتے ہوئے ہمیں سوق عکاظ کا بورڈ دیکھنے کو ملا اور اسی کے ساتھ حاشیہ دماغ پر بازار عکاظ کی تاریخ گردش کرنے لگی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ زمانہ جاہلیت کی اس جولان گاہ اور میلے کی آج کیا عمرانی حیثیت ہے لیکن آثار و قرائن سے ایسا لگا، جیسے وہاں اب شہر بستا ہے۔

اس سے پہلے کہ دھوپ کا جادو سر چڑھے، سورج کے چڑھنے سے پہلے ہی ہم ریاض نشیں ہو چکے تھے۔ ہمارے میزبان لقمان حیات خان نے اس دوبارہ آمد پر جس خوشی اور عقیدت کا اظہار کیا، وہ بھلائی نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور ان کی اس محبت کو سلامت رکھے۔

ہم نے پچھلے سفر ریاض میں ان کے فلیٹ کے بغل میں واقع مسجد کی زیارت نہیں کی تھی، آج جماعت کے بعد وہاں

نماز پڑھی توصف کے آگے رکھی قرآنی پٹی پر یہ نصیحت دیکھ کر عربوں کی تعظیم قرآن پر حیرت بھی ہوئی اور کسی دوسرے نے نصیحت لی ہو، یا نہ لی ہو، ہم نے عبرت و نصیحت دونوں ایک ساتھ لی: الرجاء عدم مد القدمین باتجاہ القرآن الکریم

قطر ویزے کی شش و پنج کے بیچ ہی یہ فیصلہ ہوا کہ دمام سے قطر قریب ہے، سو وہاں سے کوشش ہونی چاہیے اور اس کے لیے 12/ اپریل کو علی الصباح ہم ٹکٹ کروا کے ریاض ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔

ریاض – دمام کی یہ نارمل چیئر کار ریلوے سروس انڈین میٹرو سے کہیں آگے اور کتنی ہی بہتر ہے۔ ایئرپورٹ سی سہولیات، تقریباً ویسی ہی بہترین بناوٹ اور اس بھاری انتظام کے بیچ بہت کم بھیڑ۔

چار سو کلومیٹر کی مسافت چار گھنٹے میں پوری کر کے جب ہم دمام ریلوے اسٹیشن پہنچے تو دن کا پہلا پہر اپنے پر سمیٹ رہا تھا۔

دن بھر اپنے قدیم حجرے میں آرام کے بعد آج نماز عشا کے وقت ہم نے مولانا صدام حسین صاحب کی مسجد عبد اللہ بن عباس کے نزدیک واقع لولو ہائپر سپر مارکیٹ میں وقت گزاری مناسب سمجھی۔ کیا وسعت اور کیا ذخیرہ اندوزی، یہ مال کیا ہے؟ دنیوی مال و متاع کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے۔ جس طرف بڑھیے درجہ بندی کے تحت انسان کی پیدائش سے وفات تک کا گویا ہر سامان یکجا کر دیا گیا ہے۔ کپڑوں کی دنیا میں چلے جائیے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے بچوں کے لیے کیا خریدا جائے اور کیا چھوڑ دیں، وہیں کہیں نسوانی دنیا آباد ہے، کہیں مردانی، کہیں جوانی تو کہیں شبانی۔ نوع بنوع، رنگ برنگے سجے ہوئے ملبوسات ایسا تاثر دیتے ہیں جیسے کپڑے ہی دنیا ہوں لیکن ایسا نہیں جب تکنیکی، گھریلو، کھیل کود اور الیکٹرانک مصنوعات کے آباد جہاں کو دیکھتے ہیں تو پھر ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ بلا مبالغہ کوئی ایک ایکڑ قطعہ اراضی پر واقع اس مال کی مالیت کروڑوں ریال اور اربوں روپے کی ہوگی۔

یہاں مال میں ہم نے یہ بات نوٹ کی کہ بڑی تعداد میں غیر مسلم عورتیں اپنی بے پردگی کے تشخص کے ساتھ اور کچھ قشقے اور پردے کی آمیزش کے ساتھ شاپنگ کر رہی ہیں۔

مال سے لوٹتے ہوئے ہم ایک مسجد میں اپنا فریضہ ادا کرنے چلے گئے۔ اس وقت وہاں حسب روایت وتر میں قنوت نازلہ پڑھی جا رہی تھی اور پچھلی صفوں میں لہراتے ہوئے عربی بچے مسجد کی کشادگی کا خوب مزہ لے رہے تھے۔ پوری مسجد میں جہاں جا بجا پانی کے کین رکھے ہوئے تھے، وہیں پچھلے حصے میں خاصی تعداد میں ڈسپازل بکھرے ہوئے تھے۔

دمام میں ہر سال ہمارے عزیز دوست مولانا محمد حسین خان کے والد اعجاز خان صاحب اپنے بھائی کی برسی پر ایصال ثواب کے لیے اجتماعی افطار اور قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں، 13/ اپریل کو ہماری وجہ سے اس سالانہ پروگرام میں بیان بھی جڑ گیا۔ میلاد و مولود کے پروگرام کے بعد دعوت ہوئی، عربی کلچر کے مطابق بڑے بڑے کپ بھر بھر کے چائے نوشی، اجتماعی تراویح اور پھر دیر رات تک گپ شپ۔

ویزہ کی کشمکش ابھی بھی جاری تھی دریں اثنا 15/ اپریل کو دوبئی کے لیے اڑان بھرنا طے ہوا اور ہم افطار کے وقت

ایرپورٹ پہنچ گئے۔ دوبئی ایرپورٹ پر ریسیو کرنے کے لیے پرانے میزبان مجاہد بھائی، عارف بھائی اور ان کے ساتھ انجینئر حسین خان موجود تھے۔

قیام گاہ پہنچ کر شورما تناول کیا گیا اور بھوک مٹتے ہی مجاہد بھائی ہمیں عجمان ریاست لے گئے۔ یہاں عجمان ٹاور نامی دیدہ زیب سوسائٹی میں ہمارے ہم زلف عبدالغنی خان نے گزشتہ دنوں ایک فلیٹ کی خرید کی ہے۔ اٹھارہویں منزل پر واقع اس نئے فلیٹ سے دوبئی اور عجمان کو بیک نظر دیکھا جاسکتا ہے۔

دوبئی میں قیام کے دوران ایک بار پھر محصنہ عرف سوناپور کیمپ جانا ہوا جس کا نام سوناپور ہم انڈین لوگوں نے رکھا ہے البتہ اس بار یہاں کی مزدورانہ زندگی میں قدرے سوناپن کی وجہ یہ بتائی گئی کہ کورونا کی وجہ سے یہاں رہنے والوں کی تعداد میں 25 فیصد گراوٹ آئی ہے۔

آتے جاتے شارجہ بورڈر پر دہلی کی غازی پور منڈی کی طرح گندگی کا وہ پہاڑ بھی دیکھنے کو ملا جو اب کے دور میں کئی ہائی ٹیک شہروں کی قسمت کا حصہ بنتا جارہا ہے البتہ اس گندے پہاڑ کے چاروں طرف لمبے اور ہرے بھرے درختوں سے ایک دیوار سی بنائی گئی ہے جس سے ایک حد تک گندگی کی روپوشی بھی ہوجاتی ہے اور بھلا استعمال بھی۔

اس وقت دوبئی کی گرمی تقریباً اپھان پر تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ شدید گرمی میں خاص دوپہر کے وقت یہاں کام کرنے والوں پر قانونی ایکشن لیا جاتا اور جرمانہ عائد کیا جاتا ہے کیوں کہ بے ہوشی کا اندیشہ رہتا ہے اور گاہے اس گرمی کا زور توڑنے کے لیے مصنوعی برسات بھی کروائی جاتی ہے۔ ایک رات سحری کے وقت برادر نسبتی یوسف خان کے بلاوے پر دوبئی انٹرنیشنل سٹی جانا ہوا، جہاں حافظ صاحب نے اس گھرانے سے اپنی پرانی بے تکلفی کی وجہ سے وہ بزم ظرافت سجائی کہ کب وقت سحر ہوچلا، پتہ ہی نہ چلا۔ یوسف خان کے علاوہ بڑے برادر حضرت مولانا اسماعیل مصباحی صاحب اور چھوٹے بھائی جاوید خان بھی اس وقت یہیں ہیں۔

دوبئی انٹرنیشنل سٹی کا تعارف دوبئی کے ہمارے پچھلے سفرنامہ میں پڑھا جاسکتا ہے۔

ہم نے یہ پایا کہ دنیا بھر میں گولڈ سپلائی کے لیے اپنی جدا پہچان بنانے والے گولڈ سکھ میں دنوں دن بے حیائی کے مظاہر بڑھتے جارہے ہیں۔ پوشاک اور سیر و سیاحت میں اس بار جتنی عریانی نظر آئی، شاید پچھلی بار نہیں تھی۔ ویسے بھی دوبئی میں گھومتے ہوئے یہ بھول جانا چاہیے کہ ہم کسی اسلامی شناخت رکھنے والے ایریا میں ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے دنیا میں ترقی کا دوسرا مطلب بے حیائی اور ننگاپن ہوکر رہ گیا ہے۔

ایک دن سلیم بھائی کی دعوت پر افطار کے لیے ابوظہبی جانا ہوا، جہاں پچھلی بار کے بالکل برعکس اس بار بڑی تعداد میں ہمارے لوگ برسرروزگار تھے۔ اپنوں سے مل کر یہ طے کرپانا مشکل ہوتا ہے کہ انھیں ہم سے مل کر زیادہ خوشی ہورہی ہے، یا ہمیں ان سے مل کر۔ نہ چاہتے ہوئے بھی عرب اور دوبئی کے بیچ جو ایک غیر شعوری موازنہ ہوجاتا ہے، اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ عرب میں عربی زبان پکی ہے لیکن مذہبیت لچکیلی ہے اور دوبئی میں عربی بھلے نہ آئے، کام چل جاتا ہے

لیکن کچھ حد تک نسبتاً مسلک پسندی کا جذبہ ہے۔

جیسے ہمارے بیچ قطر کو لے کر ایک کشمکش تھی، اسی طرح فرخندہ فال قاری محمد یونس صاحب کا مشورہ تھا کہ جہاں بھی جانا ہو، وہاں سے آخری عشرے کے اعتکاف کے لیے آپ کو مدینہ لوٹنا چاہیے اور چوں کہ وقت کم بچا تھا، اس لیے اب اگر قطر جانا بھی ہوتا تو لوٹنا ممکن نہ تھا، اس لیے یہ فائنل کیا گیا کہ میں دوبارہ مدینہ شریف لوٹوں اور حافظ صاحب قطر کو ناپیں۔ مدینے کی پہلی حاضری کے متعلق ہمیں بار بار ایسا لگتا تھا جیسے ہم خواہی نخواہی حاضری کا حق ادا نہیں کر پائے اور نہ ہی کما حقہ آداب بجالا سکے یعنی ایک خاموش مجرمانہ احساس تھا، جو دوبارہ حاضری کے لیے بے چین کر رہا تھا۔ اس موقع پر ادارہ قرآن کی ٹیم کا بھی شکریہ بنتا ہے جنھوں نے دل بڑا کر کے ماہ رمضان المبارک میں ہمیں اس بات کی اجازت دی۔

ٹکٹ فائنل ہو چکا تھا اور کافی عرصے سے ہمارے عزیز تلمیذ سید گلزار مہتاب مصباحی، جھارکھنڈ جو دوبئی او قاف میں ملازمت کی نیت سے تشریف لائے ہوئے ہیں، ملنا چاہتے تھے لیکن اب تک ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ آج روانگی سے ٹھیک پہلے تشریف لائے اور پھر سید صاحب کی رفاقت میں ہی میٹرو کے ذریعے عارف بھائی اور حسین خاں ہمیں ایئرپورٹ ڈراپ کرنے پہنچے۔ سید صاحب سے یہاں کے متعلق بہت سی نئی مذہبی باتیں معلومات ہوئیں اور کچھ دل چسپ حقائق بھی۔

وہ 19/ اپریل کی شام تھی، جب ہم بعد عصر مدینہ شریف کے لیے ریاض کے کنگ خالد انٹرنیشنل ایرپورٹ پر اترے۔ ایک بار پھر انجینئر لیاقت صاحب اور بوڑھے لقمان حیات خان ہمیں ریسیو کرنے کے لیے حاضر تھے۔ راستے میں افطار کی گئی، رات میں ہی کھان پان کے بعد ٹکٹ بنا اور اسی صبح ریاض سے دوبارہ مدینہ شریف کے لیے پرواز کرنا ہوا۔

قسط14:طیبہ سے لوٹنا کسی عاشق سے پوچھیے

وہ 20/ اپریل کی صبح تھی جب کائنات کے مسیحا نے ایک روسیاہ مجرم کے دل کی پکار سنی اور ایک ہی سفر میں دوبارہ باریابی کا موقع دیا۔ خدائے متعال ان پر بے پناہ درودوں کے گجرے نازل فرمائے اور ہمیں ان کی ناموس کا پہرہ دار بنائے۔آمین۔

علی الصباح ریاض سے روانگی ہوئی اور ڈیڑھ گھنٹے بعد سلمان بھائی ایرپورٹ پر منتظر تھے۔کورونا کے بعد گورنمنٹ نے حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے توکلنا اور اعتمرنا نامی دوایپس پر آن لائن رجسٹریشن ضروری قرار دیا ہے۔گائڈلائن میں ضروری قرار دینے کے باوجود یہاں عام مسافروں سے نہ کورونا کا سرٹیفکیٹ مانگا جاتا ہے اور نہ دوسری فارملیٹیز لیکن عمرہ کرنے والوں سے بالاہتمام توکلنا کا رجسٹریشن طلب کیا جاتا ہے اور عام مسافروں کے مقابل ان سے باز پرس بھی سخت کی جاتی ہے۔

ہر چند کہ کافی آرام کر چکے ہوں، مدینہ جانے کے بعد ایسا روحانی سکون محسوس ہوتا ہے کہ پہلے پہل طبیعت صرف سونا چاہتی ہے، سو یہ جرم بھی کر لیا گیا۔

پرانے معمول کے مطابق بوقت عصر حاضر دربار ہوئے تاکہ یہ جائزہ لیا جا سکے کہ مسجد نبوی میں ان آفیشیل اعتکاف کرنے کی کس قدر گنجائش ہے؟ کیوں کہ آفیشیل اعتکاف رجسٹریشن کے مراحل تو دس رمضان سے پہلے ہی پورے کیے جا چکے تھے اور اب آفیشیل طور پر اعتکاف کی بالکل گنجائش نہیں تھی۔ شاید ایسا اس لیے کیا گیا کہ گورنمنٹ چاہتی ہے کم سے کم لوگ اعتکاف کریں جبکہ کچھ حد تک کورونا کے اثرات دکھانے بھی مقصود تھے۔

پہلے یہ خیال تھا کہ اتنی بڑی مسجد میں کون کس نیت سے بیٹھا ہے؟ کس کو خبر لگے گی، لیکن جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے تک پہنچے کہ بنا اعتکاف والوں کے لیے نہ یہاں ضرورت بھر سونے کی گنجائش ہے اور نہ موبائل چارجنگ جیسی ضروری سہولیات کی۔ سو فائنل فیصلہ یہ کیا گیا کہ اعتکاف کو آئندہ کسی وقت کے لیے مرضی مولا کے حوالے کیا جائے اور فی الوقت عشرہ رہائی میں آزادانہ عبادتوں کا جتنا لطف لیا جا سکتا ہے، لیا جائے۔

آئندہ معمول کا حصہ یہ رہا کہ بوقت عصر حاضری ہوتی اور رات کے دوسرے پہر سحری کے لیے واپسی۔

حرم شریف کا صحن جتنا وسیع ہے، اتنا ہی زبردست افطار، نماز، پانی، استنجا اور دیگر ضرورتوں کا انتظام۔

مسجد نبوی میں افطار کا نظم ونسق حکومت کا ہوتا ہے، لیکن افطار کٹس ذاتی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے شہر مدینہ کے لوگ مسجد نبوی میں افطار کو ترجیح دیتے ہوں۔ افطار کے جو کٹ ملتے ہیں، گاہے گاہے مغذیات، جیوس، بسکٹ وغیرہ کے ان پر چھوٹے موٹے اضافے اتنے زیادہ ہو چکے ہوتے ہیں کہ تراویح کے وقت تک کا کھانا ہو جاتا ہے۔

نماز کے معا بعد چائے اور قہوے کے کئی ٹھیے لگتے ہیں۔ اہل مدینہ کی بڑی تعداد ہوتی ہے جو اپنے تھیلوں میں تھرمس اور پلاسٹک کے کپ لاتے ہیں اور نماز کے اختتام کے ساتھ ہی رندوں کو جام بھر بھر پیش کرنے لگتے ہیں۔

پہلے ہی دن عزیز دوست اور یوٹیوبر رمضان بھائی، بیکانیر سے مسجد کے گیٹ نمبر 35 پر ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات مکہ مکرمہ میں ہونی تھی لیکن شاید قسمت میں مدینہ مکتوب تھا۔ رمضان بھائی دینیات کا کافی شوق رکھتے ہیں اور یوٹیوبر ہونے کی وجہ سے انھوں نے الگ الگ زیارتوں پر خاصے ویڈیوز بھی بنائے۔ ہم سے بھی کچھ زیارتوں کے متعلق دریافت کرنے لگے، جس کا ہماری طرف سے جواب لاعلمی کا تھا۔

دوسرے دن ہمیں سلمان بھائی مدینہ کے بیرونی حصے کی طرف لے گئے، جہاں سے بادشاہ کا محل قریب تھا۔ وہاں قرآن مجید اور کچھ خاص اسلامی کتابوں کا ایک بہت بڑا آٹومیٹک چھاپہ خانہ تھا۔ ایسا عمدہ اور اپڈیٹ نظم ونسق کہ دیکھیے تو دیکھتے رہ جائیے۔ وہاں سے روزانہ زائرین کو بڑی تعداد میں مفت قرآن شریف دیے جاتے ہیں البتہ یہ شرط رہتی ہے کہ ایک آدمی کو ایک ہی قرآن شریف ملے گا۔

یہاں ہر کام آٹومیٹک ہوتا ہے۔ خود پیپر تیار ہوتے ہیں، خود کتابت ہوتی ہے، خود بائنڈنگ ہوتی ہے، خود مطبوع قرآن مجید ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور خود ہی پیکیجنگ ہوتی ہے۔ چند ملازمین ہوتے ہیں جو اس پورے نظام کی نگرانی کرتے ہیں اور بس۔ ظاہر ہے اتنا اپڈیٹ اور اتنا زیادہ آٹومیٹک نظم ونسق کتابی دنیا کے لیے کسی معراج سے کم نہیں۔

یہ چھاپہ خانہ تقسیم قرآن مجید کے لیے ہفتے میں پانچ دن اور پانچ دنوں میں روزانہ دو دو گھنٹہ کھلا رہتا ہے۔ ہم دونوں کو اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق اس کلام مجید کے دو نسخے مل گئے، جن سے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں اور جو در اصل ہماری بچکانہ تلاوت کا نفسیاتی ساتھی ہے۔ ہوا یوں تھا کہ دادی جان نے حج سے واپسی کے بعد ہمیں وہ نسخہ دیا تھا جو آج تک ذہن کے حاشیے پر مرتسم ہے لیکن اب بوڑھا ہو چکا ہے، ان ہو بہو تازہ نسخوں کی تازگی نے اس بوڑھے نسخے کو گویا نئی زندگی دے دی۔

دوسرے دن سر شام طے شدہ پلان کے مطابق ہماری ملاقات سید حسن ابدال صاحب سے ہوئی ہے۔ آپ بھلائی، چھتیس گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم سے سافٹ ویئر انجینئر اور خاندانی طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ سید زادہ ہونے کے ساتھ ساتھ عالم زادہ بھی ہیں۔ آپ کے والد ماجد عالم کامل ہیں بلکہ الحمد للہ جتنے کامیاب عالم ہیں، اتنے ہی کامیاب بزنس مین اور اتنے ہی زبردست سیاسی اثر ورسوخ رکھنے والے سنجیدہ مزاج عالم دین۔ سید صاحب نے بھی خوب ذوق عبادت پایا ہے۔ ایک دن میں کئی عمرہ کر کے آئے اور نیکیوں کے بڑے حریص ہیں۔ ایک مدت سے رابطے میں ہیں، زہے قسمت کہ اس یاری پر پہلے اجمیر شریف اور اب کی بار مدینہ منورہ کی دل داری نے ہمیشہ کے لیے مہر ثبت کر دی۔ سید صاحب خواہش مند تھے کہ ہمارے ساتھ اعتکاف کرتے لیکن جب ہمارا پلان کینسل ہوا تو انھوں نے بھی اپنا پلان تبدیل کر دیا۔ اٹھنا بیٹھنا ہو، نماز پڑھنا ہو یا افطار کرنا ہر کام ساتھ میں ہوتا اور سید صاحب کا علمی اور عملی حرص مسلسل تبادلہ خیال

کرتا رہتا۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ جنت البقیع میں داخلے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو فجر کے بعد داخلہ ممکن ہوتا ہے یا پھر ہر نماز کے بعد ہونے والے جنازے کے بالکل ساتھ ساتھ لیکن 22/ اپریل کو شام سے پہلے جانے کیوں جنت البقیع کا دروازہ عام لوگوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ایک بڑی تعداد زیارت کے لیے جاتی تھی، ہم بھی اپنی قسمت جگانے لگے اور بے نام و نشان اس سپاٹ سے قبرستان کو کبھی حسرت، کبھی حیرت، کبھی ندامت اور کبھی تلاوت کے ساتھ تکتے رہے۔ اللہ غارت کرے اس کج فہمی کو جس نے اسلامی آثار کو مٹا کر اپنا نام ازلی بدبختوں میں لکھوایا۔ کہاں تو عالم اسلام کا سب سے قیمتی شخصی سرمایہ اور کہاں یہ حسرتوں کے مزار۔ کہاں صحابہ اور اہل بیت یعنی اللہ اور رسول کی مقرب ہستیوں کی عظمت نشان آخری آرام گاہیں اور کہاں ایک حدیث کی غلط تشریح اور کج فہمی کے نتیجے میں بدترین مسماری کے یہ کھنڈر نشان۔ کہاں اپنی جھوٹی سچی داستانوں کو بھی تاریخ بنانے کا دنیوی انداز اور کہا منصوص فضیلتوں کی حامل شخصیتوں کے نام و نشان مٹانے کی یہ ناکام کوششیں۔ تاریخ جب جب جنت البقیع کے اس صاف میدان پر نظر ڈالے گی، نہایت گن گرج اور کوہ عظمت آوازیں اسے غیرت دلائیں گی۔

جنت البقیع کے انہدام کی تاریخ پر فقیر راقم الحروف نے کچھ سال پہلے اپنے دوست انجینئر شجاعت علی قادری کے کہنے پر کوئی 90 صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی مقالہ لکھا تھا لیکن ہنوز وہ تشنہ طباعت ہے۔

آل سعود نے اپنے اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جنت البقیع کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، وہ ان کی اپنی روش تھی لیکن عالم اسلام نے اس بابت جس طرح کی یکطرفہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے، وہ بھی کوئی چھوٹا جرم نہیں۔ ہر چند کہ عرب حکومت کے سامنے کہیں دور دراز گونجتی آوازیں نقار خانے کی آوازیں ثابت ہوتی ہیں لیکن غوغا مچتے رہنا چاہیے تاکہ مدعا حاصل ہو، ہو، نہ ہو لیکن کم سے کم آنے والی نسلوں کو ظالمانہ اور مظلومانہ تاریخ نواز بر رہے، ورنہ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنت البقیع کا تصور محض چند ابھرے ہوئے نقوش والے ایک سپاٹ میدان کا بن کے رہ جائے اور بس کیوں کہ موجودہ روش کے ساتھ یہی قوی اندیشہ ہے۔

آج ہی افطار سے قبل عالمی تحریک دعوت اسلامی کے مفتی اور معروف اسلامی چینل مدنی چینل کے مقبول اسکالر مفتی علی اصغر عطاری صاحب سے اچانک مسجد نبوی میں ملاقات ہوئی اور خوب ہوئی۔

ہم روضہ انور کی طرف سے مسجد نبوی میں داخلے کی جگہ اور ریاض الجنہ کے نزدیک مسجد کے داخلی حصے میں کھڑے سید حسن ابدال صاحب کے منتظر تھے کہ اچانک مفتی صاحب مسجد میں داخل ہوئے، ہم نے بڑھ کر سلام کیا اور اپنا نام بتایا، نام بتاتے ہی گلے لگایا اور کہنے لگے: میں تو یہ سوچ رہا تھا، آپ بہت جسیم اور ہٹے کٹے ہوں گے۔

دراصل مفتی صاحب سے ایک مدت ہوئی وہاٹس ایپ کے ذریعے ربط و ضبط اور مکالمے ہیں۔ آپ پشتینی طور پر ہریانہ کے راجپوت ہیں۔ اپنے پشتینی علاقے کی موجودہ صورت حال اور دیگر ایشوز پر بھی باتیں ہوتی رہی ہیں۔ اس مبارک

ماہ میں مبارک ترجگہ اور مبارک ترین وقت کی ملاقات نے اس تعارف وتعلق کو مقبولیت کی سند دی ہے۔

افطار اور نماز مغرب ساتھ میں ادا ہوئی اور اس دوران بہت سے موضوعات پر ڈھیروں باتیں بھی۔ میں نے پوچھا: آپ کو مسائل تجارت پر تبحر کیوں کر حاصل ہوا؟ تو از راہ مزاح فرمانے لگے: میں لوگوں کے سامنے اس غلط فہمی کا ازالہ کرتا ہوں کہ میں تجارت کا نہیں، اسلام کا مفتی ہوں۔ پھر تفصیل بتاتے ہوئے کہنے لگے: جب میں ہدایہ پڑھاتا تھا، اسی وقت شام کو بالغ لوگوں کو بھی پڑھاتا تھا۔ ان تاجر متعلمین کے سوالات عملی اور گنجلک قسم کے ہوا کرتے تھے، جن کی تحقیق کرتے کرتے اللہ رب العزت نے نئے مسائل تجارت پر یک گونہ مہارت عطا فرمادی اور اس پر میری پی ایچ ڈی مستزاد۔

میری دریافت پر مفتی محمد قاسم صاحب کی تعریف کرتے ہوئے ان کے دعوت اسلامی میں آنے کا بیک گراؤنڈ اور ان کی ذہانت اور مطالعہ کا استحضار پیش کرنے لگے۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ الحمدللہ مفتی صاحب کا مزاج حریفانہ نہ تھا۔

ائمہ حرمین شریفین کے پیچھے علمائے اہل سنت ہند و پاک کی نمازوں کے متعلق محتاط تدبیریں اور گم راہ فرقوں میں سلوک و معرفت کی طرف رجحان جیسے بہت سے مسائل پر دل چسپ گفتگو رہی۔ اسی دوران آپ نے اپنی تازہ کتاب 27 واجبات حج اور ان کی تفصیل پیش فرمائی۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مشاعر حج و زیارت اور دیگر مسائل حج کو بار کوڈ کی مدد سے معائنہ کروایا گیا ہے۔ دیے گئے بار کوڈ پر اسکین کرنے سے ویڈیو کھل جاتے ہیں اور جو کچھ پڑھا یا سمجھا گیا، اسے ویڈیو فارمیٹ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ علمی اور قلمی دنیا میں یہ خوب صورت اضافہ اور لائق تقلید بدعت ہے۔

ایک دن جمعرات کو علی الصباح ریاض اور دمام میں رہنے والے شیرانی احباب کی عمرہ سے فارغ ہو کر دو گاڑیاں پہنچیں اور حاضری دربار کے بعد سحری و ملاقات سے فارغ ہو کر چلتی بنیں۔

23 اپریل کو واپسی کے لیے مدینے کے بازار سے خریداری کی گئی۔ مدینہ ایک متوسط شہر ہے لیکن ایسا لگتا ہے جیسے اس کے بازار میں بابرکت تنوع ہے۔ تبرکاً تھوڑا تھوڑا خریدتے ہوئے بھی تنگ دامانی کا شکوہ رہا۔

اسی دن شام کو اشرف بھائی، اڑیسہ کا فون آیا اور انھوں نے اطلاع دی کہ حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن عباسی اڑیسوی علیہ الرحمہ کے سجادہ نشین دام ظلہ بھی اپنی پوری ٹیم کے ساتھ تشریف لائے ہوئے ہیں، ان سے ملاقات کے لیے ان کے ہوٹل پر حاضری ہوئی اور موجود علما و احباب سے خوب تر ملاقاتیں۔

اس بار حرمین شریفین کے لیے آرڈر تھا کہ جانے کب سے توارث کے ساتھ پڑھی جاتی رہی بیس رکعت نماز تراویح کو دس رکعت میں بدل دیا جائے، سو ایسا ہی ہوا۔ شاید اس کی تلافی کے لیے رات ایک بجے سے قیام اللیل کے نام پر دس رکعت نماز با جماعت الگ سے ادا کی جارہی تھی۔ معلوم نہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے اس تبدیلی کی کیا حیثیت ہے؟ البتہ یہ ضرور دیکھا ہے کہ شاہی فرمان کے آگے یہاں کی شریعت بلا چوں چرا سر تسلیم خم کرتی ہے۔

جیسے ہی یہ دوسری نماز ہونے لگتی، خوش عقیدہ احباب کا حلقہ چھٹنے لگتا۔ اسی وقت نماز وتر بھی ادا کی جاتی اور وتر کے

اخیر میں قنوت نازلہ بھی۔

ہم نے 23 کی شب کو خصوصی حاضری دی، حسرت بھری نگاہوں سے مڑمڑکر جہاں تک تک سکتے تھے، گنبد خضرا کو تکا اور بوقت سحری اپنی آرام گاہ آن پہنچے۔

24/کو دوپہر میں مدینہ منورہ سے شارجہ کے لیے روانگی تھی۔ سلمان بھائی نے بار بر سالا دیا تھا اور اسی لگیج کی وجہ سے ایرپورٹ پر قدرے اٹھاپٹک کا سامنا کرنا پڑا۔

بوقت عصر شارجہ ایرپورٹ پر لینڈنگ ہوئی اور حسن اتفاق کہ شارجہ سے جے پور کے لیے جو فلائٹ ہماری تھی، وہی قطر سے شارجہ ہوکر حافظ صاحب کی بھی تھی، اس حسن معیت واتفاق پر اللہ تعالی کا شکر ادا کیا جانا چاہیے۔

ہم شارجہ ایئرپورٹ پر افطار کی تیاری کر رہے تھے کہ اسی دوران چہرے اور حلیے سے پہچان کر اچانک انور بھائی اشرفی نمودار ہوئے اور پوچھنے لگے: کیا آپ اشرفی سلسلے سے ہیں؟ ایک بار تو سوال عجیب سا لگا لیکن جواب دیا، کیوں نہیں، میں حضرت شیخ الاسلام مدنی میاں صاحب سے خلافت یافتہ ہوں۔ بس پھر کیا تھا، افطار بھی ساتھ ہوا اور دیر تک گپ شپ بھی۔ انور بھائی سلسلہ اشرفیہ کے مرید اور تلنگانہ کے کسی علاقے میں اس کے میزبان رہے ہیں۔

شارجہ سے رات کے پہلے پہر میں روانہ ہوکر بھی جب جے پور ایئرپورٹ پر ہماری لینڈنگ ہوئی تو ٹھیک اس سفر نامے کی طرح سحری کا وقت بالکل ختم ہوچکا تھا۔

ہماری اردو کتابیں:

(1)بہار تحریر۔عبد مصطفی آفیشل

علمی تحقیقی اور اصلاحی تحریروں پر مشتمل ایک گلدستہ جس کے اب تک چودہ حصے شائع ہو چکے ہیں۔ ہر حصے میں پچیس تحریریں ہیں جو مختلف موضوعات پر ہیں۔

(2)اللہ تعالی کو اوپر والا یا اللہ میاں کہنا کیسا؟۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں کئی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کو اوپر والا یا اللہ میاں کہنا جائز نہیں ہے۔

(3)اذان بلال اور سورج کا نکلنا۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں ایک واقعے کی تحقیق پیش کی گئی ہے جس میں حضرت بلال کے اذان نہ دینے پر سورج نہ نکلنے کا ذکر ہے۔

(4)عشق مجازی (منتخب مضامین کا مجموعہ)۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں کئی احباب کے مضامیں شامل کیے گئے ہیں جو عشق مجازی کے تعلق سے ہیں، عشق مجازی کے مختلف پہلوؤں پر یہ ایک حسین سنگم ہے۔

(5)گانا بجانا بند کرو، تم مسلمان ہو!۔عبد مصطفی آفیشل

اس مختصر سے رسالے میں گانے بجانے کی مذمت پر کلام کیا گیا ہے اور گانوں کے کفریہ اشعار بیان کئے گئے ہیں جسے پڑھ کر کئی لوگوں نے گانے بجانے سے توبہ کی ہے۔

(6)شب معراج غوث پاک۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں ایک مشہور واقعے کی تحقیق بیان کی گئی ہے جس میں حضرت غوث اعظم کی شب معراج ہمارے نبی علیہ السلام سے ملنے کا ذکر ہے۔

(7)شب معراج نعلین عرش پر۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں ایک واقعے کی تحقیق پیش کی گئی ہے جس میں معراج کی شب حضور نبی کریم علیہ السلام کا نعلین پہن کر عرش پر جانے کا ذکر ہے۔

(8)حضرت اویس قرنی کا ایک واقعہ۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں حضرت اویس قرنی کے اپنے دندان شہید کر دینے والے واقعے کی تحقیق بیان کی گئی ہے اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ کے آخری رسول علیہ السلام کے دندان شہید ہوئے تھے یا نہیں اور ہوئے تو اس کی کیفیت کیا تھی اور کئی تحقیقی نکات شامل بیان ہیں۔

(9)ڈاکٹر طاہر اور وقار ملت۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ مجموعہ ہے ان فتاوی کا جو حضرت علامہ مفتی وقار الدین قادری علیہ الرحمہ نے ڈاکٹر طاہر القادری کے لیے لکھے ہیں، یہ فتاوی ڈاکٹر طاہر القادری کی گمراہی ثابت کرتے ہیں۔

(10)مقرر کیسا ہو؟۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں آپ پڑھیں گے کہ تقریر کرنے کا اہل کون ہے، یہ کس کے لیے جائز ہے اور ایک مقرر کے اندر کون کون سی باتیں ہونی چاہیں۔

(11)غیر صحابہ میں ترضی۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں کئی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کے علاوہ بھی ترضی (یعنی رضی اللہ تعالی عنہ) کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(12) اختلاف اختلاف اختلاف۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ اہل سنت میں موجود فروعی اختلافات کے حوالے سے ہے، اس میں اس بات کا بیان ہے کہ جب کبھی علماے اہل سنت کے مابین کوئی مسئلہ اختلافی ہو جائے تو اس میں کیسی روش اختیار کی جانی چاہیے۔

(13) چند واقعات کربلا کا تحقیقی جائزہ۔عبد مصطفی آفیشل

واقعات کربلا کے حوالے سے اہل سنت میں بے شمار واقعات ایسے آ گئے ہیں جو شیعوں کی پیداوار ہیں، اس رسالے میں ہم نے چند واقعات کی تحقیق پیش کی ہے جو کہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے، اس تحقیقی رسالے میں کئی علمی نکات مرقوم ہیں۔

(14) بنت حوا (ایک سنجیدہ تحریر)۔کنیز اختر

عورتوں کی زندگی میں پیدائش سے لے کر نکاح اور پھر بعدہ کے معاملات کی اصلاح کے لیے اس رسالے کو ایک الگ انداز میں لکھا گیا ہے۔

(15) سیکس نالج (اسلام میں صحبت کے آداب)۔عبد مصطفی آفیشل

اسلام میں جنسی تعلقات اور اس حوالے سے جدید مسائل پر یہ رسالہ بڑے ہی عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ رسالہ دلائل سے بھی مزین ہے۔

(16) حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعے پر تحقیق۔عبد مصطفی آفیشل

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق مشہور واقعات کی تحقیق پر یہ رسالہ لکھا گیا ہے، کئی حوالوں سے اصل روایات اور ان کی کیفیت کو انبیا کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

(17) عورت کا جنازہ۔جناب غزل صاحبہ

عورت کے جنازے کو کون کون دیکھ سکتا ہے؟ کون کون کندھا دے سکتا ہے؟ کیا شوہر کندھا نہیں دے سکتا؟ اور ایسے کئی سوالات کے جوابات آپ کو اس رسالے میں ملیں گے۔

(18) ایک عاشق کی کہانی علامہ ابن جوزی کی زبانی۔عبد مصطفی آفیشل

ایک عاشق کی بڑی دل چسپ کہانی ہے جس میں مزاح ہے، تفریح ہے، سبق ہے اور عبرت ہے۔ اس واقعے کو علامہ ابن جوزی کی کتاب ذم الھوی سے لیا گیا ہے۔

(19) آئیے نماز سیکھیں۔عبد مصطفی آفیشل

اس کتاب میں نماز پڑھنے اور اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ مسائل کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصطلاحات کو آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے اگلے حصوں پر بھی کام جاری ہے۔

(20) قیامت کے دن لوگوں کو کس کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں اس بات کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ماں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا یا باپ کے نام سے

(21) محرم میں نکاح۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں بیان کیا گیا ہے کہ ماہ محرم الحرام میں بھی نکاح جائز ہے اور اسے ناجائز کہنا بالکل غلط ہے، محرم میں غم منانا یہ کوئی اسلامی رسم نہیں

اور چاہے گھر بنانا ہو یا مچھلی، انڈہ اور گوشت وغیرہ کھانا سب محرم میں جائز ہیں۔

(22) روایتوں کی تحقیق (پہلا حصہ)۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ اہل سنت میں مشہور روایتوں کی تحقیق پر مشتمل ہے، اس میں روایتوں کی تحقیق بیان کی گئی ہے۔ صحیح روایتوں کی صحت پر اور باطل روایتوں کے موضوع و بے اصل ہونے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں، اس کے اور بھی حصوں پر کام جاری ہے۔

(23) روایتوں کی تحقیق (دوسرا حصہ)۔عبد مصطفی آفیشل

یہ روایتوں کی تحقیق کا دوسرا حصہ ہے، اس کے اور بھی حصوں پر کام جاری ہے۔

(24) بریک اپ کے بعد کیا کریں؟۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ ان نوجوانوں کے لیے لکھا گیا ہے جو عشق مجازی میں دھوکا کھا کر اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھنے کے لیے راہ تلاش کر رہے ہیں۔

(25) ایک نکاح ایسا بھی۔عبد مصطفی آفیشل

یہ ایک سچی کہانی ہے، ایک نکاح کی کہانی، اس میں جہاں اسلامی طریقے سے نکاح کو بیان کیا گیا ہے وہیں اس پر عمل کی کوشش بھی کی گئی ہے، ہے تو یہ ایک کہانی پر اس میں آپ تحقیقی نکات بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

(26) کافر سے سود۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں آپ پڑھیں گے کہ ایک کافر اور مسلمان کے درمیان سود کی کیا صورتیں ہیں؟ اور ساتھ ہی لون، بینک اور ڈاک سے ملنے والے منافع پر علماے اہل سنت کی تحقیق بھی شامل رسالہ ہے۔

(27) میں خان تو انصاری۔عبد مصطفی آفیشل

اسلام میں قوم، ذات اور برادری وغیرہ کی اصل پر یہ ایک تحقیقی کتاب ہے، اس مساوات کو قائم کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، کفو کے مسئلے پر تحقیقی مواد بھی شامل کتاب ہے۔

(28) روایتوں کی تحقیق (تیسرا حصہ)۔عبد مصطفی آفیشل

یہ روایتوں کی تحقیق کا تیسرا حصہ ہے، اس کے دو حصوں کا ذکر ہم کر آئے ہیں، اس کے چوتھے حصے پر کام جاری ہے۔

(29) جرمانہ۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ مالی جرمانے کے متعلق لکھا گیا ہے۔ مالی جرمانہ فقہ حنفی میں جائز نہیں ہے اور اسے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

(30) لا الہ الا اللہ، چشتی رسول اللہ؟۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ اولیا کی ایک خاص حالت کے بیان میں ہے جسے "سکر" اور "شطحیات" وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تعلق سے اہل سنت کے معتدل موقف کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ان کے لیے دعوت فکر ہے جو افراط و تفریط کے شکار ہیں۔

(31) تحقیق عرفان فی تخریج شمول الاسلام۔عرفان برکاتی

یہ اعلی حضرت، امام احمد رضا بریلوی کی کتاب شمول الاسلام پر تخریج ہے۔

(32) اصلاح معاشرہ (منتخب احادیث کی روشنی میں)۔عرفان برکاتی

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ کے لیے احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اصلاح معاشرہ کے حوالے سے یہ ایک اچھی کتاب ہے۔

(33)کلام عبید رضا۔عبد مصطفی آفیشل

یہ الحاج اویس رضا قادری پاکستانی کے کلام کا مجموعہ ہے۔

(34)مسائل شریعت (جلد 1)۔سید محمد سکندر وارثی

اس کتاب میں تقریباً سات سو سوال جواب ہیں۔روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کثرت سے موجود ہیں۔فقہ حنفی کی روشنی میں مسائل کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(35)اے گروہ علما گر دو میں نہیں جانتا- مولانا حسن نوری گونڈوی

یہ مختصر سا رسالہ ایک اہم پیغام پر مشتمل ہے کہ علما و عوام سب کو چاہیے کہ لاعلمی کا اعتراف کرنے کی عادت ڈالیں اور جہاں علم نہ ہو وہاں تکلف کر کے جواب نہ دیتے ہوئے گر دیا جائے کہ میں نہیں جانتا۔

(36)سفرنامہ بلاد خمسہ - عبد مصطفی آفیشل

یہ ایک سفرنامہ ہے، ہندستان کے پانچ بلاد کے سفر کے احوال پر مشتمل ہے۔اس کے مطالعے سے جہاں آپ پانچ بلاد کے متعلق معلومات حاصل کریں گے وہیں کئی علمی نکات بھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

(37)منصور حلاج۔عبد مصطفی آفیشل

یہ مختصر سا رسالہ حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ کے حالات پر ہے جس میں علماے اہل سنت کی تحقیق کو بیان کیا گیا ہے اور حضرت منصور حلاج کے بارے میں رکھے جانے والے نظریات کو پیش کر کے جائزہ لیا گیا ہے۔

(38)مقام صحابہ امام احمد بن حنبل کی نظر میں

اس رسالے میں علامہ وقار رضا القادری المدنی سلمہ الباری نے امام احمد بن حنبل کے صحابہ کرام کے متعلق نظریات کو پیش کیا ہے اور حضرت امیر معاویہ کے حوالے سے بھی کلام کیا گیا ہے۔

(39)مفتی اعظم ہند اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔مولانا محمد ثقلین ترابی نوری، مولانا محمد سلیم رضوی

یہ کتاب شہزادۂ اعلی حضرت، حضور مفتی اعظم ہند کی سیرت اور کردار پر لکھا گیا ہے۔

DONATE

ABDE MUSTAFA OFFICIAL

TO DONATE :

Account Details :
Airtel Payments Bank
Account No.: 9102520764
(Sabir Ansari)
IFSC Code : AIRP0000001

SCAN HERE

PhonePe G Pay paytm 9102520764

OUR DEPARTMENTS:

enikah
E NIKAH MATRIMONIAL SERVICE

SABIYA
SABIYA VIRTUAL PUBLICATION

BOOKS
ROMAN BOOKS

PS graphics
PURE SUNNI GRAPHICS
GRAPHIC DESIGNING DEPARTMENT

ACAG MOVEMENT
TO CONNECT AHLE SUNNAT

/abdemustafaofficial
for more details WhatsApp on **+919102520764**

ABOUT US

Abde Mustafa Official is a team from **Ahle Sunnat Wa Jama'at** working since 2014 on the Aim to propagate **Quraan and Sunnah** through electronic and print media.

We are :

blogging, publishing books and pamphlets in multiple languages on various topics, running a special matrimonial service for Sunni Muslims.

Visit our official website :

www.abdemustafa.in

about thousands of articles & 200+ pamphlets and books are available in multiple languages.

E Nikah Matrimony

if you are searching a Sunni life partner then **E Nikah** is a right platform for you.

Visit **www.enikah.in**

Or join our Telegram Channel

t.me/enikah (search "E Nikah Service" in Telegram)

Follow us on Social Media Networks :

/abdemustafaofficial

For more details WhatsApp **+91 91025 20764**

OUR BRANDS :

SABIYA VIRTUAL PUBLICATION

enikah E NIKAH MATRIMONY SERVICE

BOOKS ROMAN BOOKS

niiii NIKAH AGAIN SERVICE

POWERED BY:

AMO ABDE MUSTAFA OFFICIAL